وہ جو عشق تھا

نازیہ کنول نازی

kitaabghar.com

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

وہ جو عشق تھا

نازیہ کنول نازی

نوٹ:۔

اس ناول کے جملہ حقوق بنامِ مصنفہ نازیہ کنول نازی محفوظ ہیں۔ مصنفہ نے یہ ناول خصوصی طور پر کتاب گھر (http://kitaabghar.com) کو آن لائن پبلشنگ کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا اس تحریر کی کسی بھی اور آن لائن میگزین، ویب سائٹ، سیل فون ایپ یا انٹرنیٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا خلافِ قانون ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی کارروائی کا سامنا اور بھاری جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

قسط نمبر 1

اب اور کتنی دیر یہ دہشت، یہ ڈر، یہ خوف
گرد و غبار، عہد ستم اور کتنی دیر
شام آ رہی ہے، ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو، ہم اور کتنی دیر

کوئی بھی سحر نہ پھونکو مجھے بے جان رہنے دو
میں اک ویراں جزیرہ ہوں مجھے سنسان رہنے دو
مجھے معلوم ہے مرجھا گئے ہیں پھول پھر بھی تم
میرے کمرے میں بس یہ آخری گل دان رہنے دو
تھکن کیسے اتارو گے بھلا اونچی اڑانوں کی
سنو پر کاٹ ڈالو تم، نئی اڑان رہنے دو
ہزاروں امتحانوں کا کیا ہے سامنا ہنس کر
ہمارے واسطے بھی زیست کو آسان رہنے دو
میرے اپنوں نے گھونٹا ہے گلا میری امیدوں کا
میرے اپنو میرے بس میں بھی میری جان رہنے دو
بھلا کر کے بھلائی کی امیدیں ہم نے رکھی تھیں
عقل مندی نہ راس آئی، ہمیں نادان رہنے دو!

یہ مانا خشک پتا ہوں مگر اے محسنو پھر بھی
نہ یوں پاؤں تلے روندو، کوئی پہچان رہنے دو
کسی کو وقت آخر کاش ہم بھی اپنا کہہ پاتے
یہی خواہش تھی اک اپنی یہی ارمان رہنے دو!

(شاعرہ: نازیہ کنول نازی)

''تڑاخ.....!''

بڑی بڑی قلعہ نما دیواروں والی قدیم لال حویلی کے پچھواڑے میں اس وقت بندوق کی نال سے نکلنے والی، وہ محض ایک گولی نہیں قیامت تھی جو اس قلعہ نما حویلی کے اندر قید سالوں سے زندگی کا بوجھ ڈھونے والی عورتوں کے دلوں پر قہر کی صورت بپا کر دی گئی تھی۔

بڑے ہال کی ستونوں کے پیچھے چھپی بے آواز روتی عورتوں کی آہ وزاریاں گویا آسمان کے ستونوں سے ٹکرانے لگی تھیں اور وہ..... سبک رو ہوا سی خوب صورت لڑکی جو اپنی موت کے آخری لمحے تک اپنے گناہ پر شرمندہ یا خوف زدہ نہیں تھی، دماغ میں لگنے والی فقط ایک ہی گولی نے اسے اوندھے منہ کسی کچے مکان کی کمزور دیوار کی مانند زمین پر گرانے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ قلعہ نما حویلی کے پچھواڑے میں اس وقت جب رات اپنا پچھلا پہر سست روی سے مکمل کر رہی تھی، ایک بے حد خوب صورت، انمول زندگی کا روشن باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا تھا۔

ہال کمرے کے بڑے سے ستون کے ساتھ لگی کھڑی محراب عبدالکریم کو لگا بس زندگی صرف یہیں تک تھی۔ آگے جو وقت اسے دیکھنا تھا اس میں تو محض اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ گھٹا ٹوپ گھپ اندھیرا.....!

یکلخت دماغ برف ہوا اور اگلے ہی لمحے وہ لہرا کر زمین پر گر گئی تھی۔ عورتوں کے بے آواز آنسو مزید شدت اختیار کر گئے تھے۔

گھٹی گھٹی سسکیوں اور آہ وزاریوں کی آواز بلند ہوئی تھی مگر اس قلعہ نما قدیم حویلی کی اونچی دیواروں کے اندر اس بے بس مخلوق پر حاکم ان کے بے حس روایت پسند مردوں کو ان آہ وزاریوں اور

آنسوؤں کی مطلق پروا نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

زمین پر اوندھے منہ گرا نایاب عبدالکریم کا وجود چند لمحے خاک پر تڑپنے کے بعد بالآخر ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

سردار عبدالرحیم کی بندوق کی نال دھواں اگلتی بالآخر ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔ اس حویلی کی روایت تھی بدکردار عورتوں کو گولی مار کر مٹی میں سلا دینا اور یہ روایت پوری ہو گئی تھی، ایک اور زندگی ہار گئی تھی۔ نایاب عبدالکریم ہار گئی تھی۔ نایاب عبدالکریم جو بچپن سے اپنی ذہانت، خوب صورتی اور اچھی عادتوں کی بدولت ان کے دل کے ہمیشہ قریب رہی تھی، بالآخر انہی کی بندوق کی گولی سے قبر کے گھپ اندھیروں میں اترنے والی تھی۔ وہ جو اسے اس کی پیدائش کے وقت اپنی بانہوں میں لائے تھے انہی نے اس سے اس کی زندگی چھین لی تھی۔

قیامت بھلا اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی تھی؟ زارون جو ایک طرف کھڑا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا، سردار عبدالرحیم کو شکستہ دیکھ کر فوراً ان کے قریب آیا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں بابا سائیں؟'' اپنے مضبوط توانا بازو ان کے دونوں کندھوں کے گرد پھیلاتے ہوئے اس نے گویا انہیں سہارا دیا تھا۔ جواب میں ان کا سر آہستہ سے نفی میں ہلا تھا۔

''نہیں.....اب کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا میں۔'' رونا ان کی شان کے خلاف تھا ورنہ شاید وہ رو پڑتے۔ زارون کی گرفت ان کے کندھوں پر مضبوط ہو گئی تھی۔

''وہ بدکردار تھی بابا.....ضدی اور باغی تھی، آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''یہی تو دکھ ہے، کاش وہ ایسا نہ کرتی، میں روز قیامت اپنے پیارے مرحوم بھائی کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' کبھی نہ کمزور پڑنے والا سردار اس لمحے جذباتی ہو رہا تھا۔ زارون انہیں کندھوں سے تھامے حویلی کے پچھواڑے سے ان کے شاندار کمرے میں لے آیا تھا۔

''فی الحال آپ کو آرام کی ضرورت ہے، آپ آرام کریں، میں تب تک اس کی لاش کو ٹھکانے

http://kitaabghar.com

لگانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں.....اس کا نماز جنازہ ہوگا۔"

"بابا سائیں.....! یہ کیسے ممکن ہے، آج تک اس حویلی میں کاروکاری ہوئی کسی عورت کا نماز جنازہ نہیں ہوا۔"

"نایاب عبدالکریم کا ہوگا..... یہ میرا حکم ہے۔" ان کے چہرے پر جلال آ گیا تھا۔ زارون عبدالرحیم کو مجبوراً سر جھکانا پڑا تھا۔

"ٹھیک ہے بابا سائیں.....جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"لاش کو زنان خانے میں بھجوا دو، جس نے جو پڑھنا ہے پڑھ لے، صبح فجر کے بعد جنازے کا اعلان کروا دینا۔"

"جی بہتر بابا سائیں۔" دل میں غصہ دبائے بظاہر فرماں برداری سے کہتا وہ ان کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

شکست ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اسے عبرتناک موت کے بعد، گمنام قبر دینا چاہتا تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا، آسمان پر بیٹھے سب سے بڑے منصوبہ ساز نے اس کے سارے ارادے مٹی کر دیے تھے۔

☆.....☆.....☆

حویلی کے بڑے سے صحن میں سفید کفن میں لپٹا اس کا چہرہ پرنور تھا، وہ مسکرا رہی تھی۔ اپنی ناگہانی اندوہناک موت پر۔

محراب جس کا دماغ اب بھی سن تھا وہ آنکھیں پھاڑے بے حد حیرانی سے اس کے صبیح پرنور چہرے پر بکھرا سکون اور ان شنگرفی لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا واقعی موت کسی انسان کو اتنا آسودہ کر دیتی ہے جتنا نایاب عبدالکریم کو کر دیا تھا؟"

اس کا دل چاہا وہ اس کے ہونٹوں اور گالوں کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کی نرم پوروں سے چھوئے اور یہ دیکھے کہ کیا وہ واقعی مر گئی تھی یا زندہ تھی؟

بیگم عبدالکریم ایک کونے میں گھٹنوں پر سر رکھے یوں بیٹھی تھیں جیسے اب دنیا میں ان کا کچھ رہا بھی نہ ہو۔

وہاں اس بڑے سے صحن میں کون ان کی لاڈلی بیٹی کے لیے رو رہا تھا، کون آہ وزاری کر رہا تھا، انہیں مطلق خبر نہیں تھی۔

اندر اپنے شاندار کمرے میں بیٹھے سردار عبدالرحیم کا حال سب سے الگ تھا۔ پچھلی رات کے آخری پہر سے اس وقت تک وہ ایک پل بھی نہیں سوئے تھے۔ دھیان کے دریچوں سے بار بار ایک چھوٹی سی چار پانچ سالہ خوب صورت بچی دوپونیاں بنائے مسکراتی ہوئی انہیں گویا ذبح کر رہی تھی۔

آج سے پہلے سالوں سے بہت سی عورتیں، بدکرداری کے الزام میں، اس حویلی کے جابر مردوں کی گولی کا شکار ہوئی تھیں مگر کسی کے لیے بھی دل میں ویسا درد نہیں اٹھا تھا جو دردنایاب عبدالکریم کی موت نے دل میں گاڑ کر رکھ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بہت دنوں کے بعد اس روز حویلی کی اونچی دیواروں سے دھوپ اندر صحن تک آئی تھی۔ بڑے ہال کی سیڑھیوں پر پلر سے ٹیک لگائے بیٹھی محراب عبدالکریم، نچڑے ہوئے سفید چہرے کے ساتھ بالکل سن بیٹھی تھی، اس کی نظر کے بالکل سامنے صحن میں بے قراری سے پھدکتی چڑیا تھی جس کو وہ مسلسل دیکھ رہی تھی جب وہ چپکے سے اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔

''کیسی ہو..... کیا بہن یاد آ رہی ہے؟'' اس کی آواز محراب عبدالکریم کے لیے سانپ کی پھنکار سے کم نہیں تھی۔ وہ چونکی اور بے ساختہ بدک کر دور ہوئی تھی۔

''دور رہو مجھ سے..... تم جیسا انسانی شکل میں خونخوار بھیڑیا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

''اچھا.....؟'' لبوں پر دلفریب مسکراہٹ سجاتے ہوئے وہ کھڑا ہوا۔

''یعنی تم مان رہی ہو کہ میں انمول ہوں۔''

''تم جانور ہو جانور.....''

''ہاہاہا..... کیا خیال ہے پھر اپنی زوجیت میں نہ لے لوں تمہیں، ذرا تم بھی دیکھ لو، ایک جانور کے ساتھ ایک ہی کمرے میں، ایک ہی بستر پر زندگی کیسے بسر ہو سکتی ہے۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے اس لمحے وہ اسے زہر سے بھی برا لگ رہا تھا۔ تب ہی وہ پھنکاری تھی۔

''سوچنا بھی مت کہ کبھی میں تم جیسے درندے کے ساتھ ایک شام بھی بسر کروں گی۔''

''سوچ تو لیا ہے..... اب کیا کروں؟'' اس کے لبوں پر ہنوز دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔

محراب عبدالکریم کی آنکھیں ضبط کی ہزار کوششوں کے باوجود بھر آئیں۔

''اگر سوچ لیا ہے تو دل سے نکال دو کیونکہ میں نایاب عبدالکریم نہیں ہوں جو تم جیسے بدارادوں کی بھینٹ چڑھ جائے گی، میرے ساتھ کچھ بھی برا کرنے سے پہلے سوچ لینا، محراب عبدالکریم اس حویلی کے کسی مرد کی گولی کا شکار نہیں ہوگی۔''

''اچھا..... کیا کرو گی؟'' وہ کہاں اس سے مرعوب ہونے والا تھا۔ محراب نے فوراً آنسو پونچھ لیے تھے۔

''اس حویلی کے بے ضمیر سفاک مردوں کے کسی بے رحم فیصلے کی بھینٹ چڑھنے سے پہلے ہی میں اپنی جان خود لے لوں گی۔''

''اوہ..... یعنی خودکشی کرو گی، اپنے مذہب کے خلاف جا کر۔'' ایک مرتبہ پھر وہ مسکرایا۔

محراب کی آنکھوں میں شرارے دوڑ گئے، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے کھڑے اس شخص کو کچا چبا جاتی، تب ہی دانت پیستے ہوئے بولی۔

''تم مذہب کی بات کر رہے ہو..... جس کا اپنا ہر عمل اپنے مذہب کے خلاف ہے۔''

''چلو دیکھتے ہیں پھر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔'' اس کی آنکھوں سے ہنوز شرارت ٹپک رہی تھی۔

محراب نفرت سے تھوکتی واپس پلٹ گئی تھی۔

اندر اپنے کمرے کے بیڈ پر اوندھے منہ گرتے ہی کب سے رکے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا۔ تکیے کو بانہوں میں بھینچ کر وہ اتنی شدت سے روئی کہ باہر وسیع برآمدے میں نماز پڑھتی مریم بیگم

سلام پھیر کر سیدھی اس کے پاس آئی تھیں۔

''محراب!'' بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ کر انہوں نے اس کی پشت سہلائی جب وہ فوراً آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

''جی امی.....''

''کیا بات ہے بیٹے، اس طرح کیوں رو رہی ہو؟'' ان کے لہجے میں فکر تھی۔

محراب سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں امی.....بس ویسے ہی نایاب یاد آ رہی تھی۔''

اس کے پاس رونے کا جواز تھا مگر اس ماں کو جھوٹ سے مطمئن کرنا آسان نہیں تھا، تب ہی وہ بولیں۔

''تو اب تم نے جھوٹ بولنا بھی سیکھ لیا ہے محراب؟''

''جھوٹ نہیں بول رہی امی، بس اب اس حویلی میں دل نہیں لگتا، میرا دم گھٹتا ہے، جی چاہتا ہے یہاں سے کہیں دور بھاگ جاؤں۔''

''بھاگ جانا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔''

''تو کیا کروں.....پھر نایاب کی طرح اسی چار دیواری میں کسی گولی کا انتظار کروں؟''

''اللہ نہ کرے محراب.....کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو؟'' وہ دہل اٹھیں۔ محراب نے گال رگڑ لیے۔

''ہم اس حویلی میں خوش نہیں رہ سکتے امی، پلیز نانا کے گوٹھ چلیں۔''

''ٹھیک ہے، میں کچھ سوچتی ہوں مگر.....فی الحال تم خود کو سنبھالو، اللہ نے چاہا تو سب اچھا ہوگا۔''

''جی امی.....''

''چلو اٹھو اب نماز پڑھ لو، وقت نکلا جا رہا ہے۔'' خود شکستہ دل ہونے کے باوجود وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

محراب اثبات میں سر ہلاتی وضو کے لیے اٹھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

سرخ اینٹوں سے قدیم طرز پر تعمیر اس قلعہ نما لال حویلی میں قیام پاکستان سے پہلے مقیم سردار عبدالرؤف کا آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ تھا۔ وہ ایک جابر مگر انصاف پسند حاکم تھے۔

اپنے خاندان اور علاقے کے لیے ان کے بنائے گئے قوانین میں کہیں کسی ردوبدل یا نرمی کی گنجائش نہیں تھی۔

اس حویلی سمیت علاقے کی کسی عورت کو سوائے قرآن پاک کے دنیاوی تعلیم کی اجازت نہیں تھی۔ اس حویلی یا علاقے کی کسی عورت کی بدکرداری ثابت ہو جانے کے بعد اسے وہیں اس علاقے میں گھر کے سربراہ کے ہاتھوں موت کی تاریک وادی میں اتار دیئے جانا سالوں کی روایت تھی جو تا حال چلی آ رہی تھی۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود وہ لوگ اپنے فیصلوں میں دین کے احکامات کو نظر انداز کر رہے تھے مگر کسی میں مذمت کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ سردار عبدالرؤف جیسے سخت دل سردار کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے بنائے گئے کسی قانون پر سوال اٹھانا گویا موت کے مترادف تھا۔

سردار عبدالرؤف کا گھرانا تین بیٹوں پر مشتمل تھا، ان کے بڑے بیٹے سردار عبدالرحیم انہی کی طرح، انصاف پسند اور قدیم روایات پر سختی سے عمل کرنے والے سردار تھے۔ سردار عبدالرؤف نے ان کی شادی، اپنی بیوی کی زندگی میں ہی ان کی بھانجی سے طے کر دی تھی، جس سے ان کے یکے بعد دیگرے تین بیٹے پیدا ہوئے۔

سردار عبدالرحیم کے بعد سردار عبدالکریم کا نمبر تھا جو روایت پسندی میں اپنے باپ اور بھائی سے قطعی مختلف تھے، شاید اسی لیے قدرت نے انہیں اوپر تلے دو بیٹیوں سے نوازا، بعد ازاں کسی پیچیدگی کے باعث ان کی بیوی ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی تھیں۔ سردار عبدالکریم کے بعد سردار عبداللطیف اس حویلی میں سردار عبدالرؤف کے آخری سپوت تھے۔ جن کی اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہی تھے۔ سردار عبدالرحیم کے بڑے دونوں بیٹوں کی شادی، سردار عبدالرؤف کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی، تاہم اس شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی موت سے فقط چند دن پہلے ان کے آخری سپوت زارون عبدالرحیم کا رشتہ بھی سردار عبدالکریم کی لاڈلی محبوب بیٹی نایاب عبدالکریم کے ساتھ طے کر دیا تھا۔

http://kitaabghar.com

نایاب نا صرف اپنے باپ بلکہ تایا اور دادا کی بھی بے حد لاڈلی تھی تب ہی بچپن سے ہی اس کی ہر خواہش بن کہے پوری کی جاتی تھی۔ محراب اس سے پورے تین سال چھوٹی تھی مگر اس کے باوجود دونوں بہنوں میں مثالی دوستی اور پیار تھا۔ سردار عبداللطیف کا بیٹا عباد ایک محبت کرنے والا حساس نوجوان تھا اسی لیے محراب اسے پسند کرتی تھی اور نایاب یہ بات جانتی تھی مگر اس سے پہلے کہ اس کے خواب پورے ہوتے لال حویلی بھیانک طوفان کی نذر ہوگئی۔ مومی گڑیا جیسی وہ پیاری سی لڑکی جس میں اس حویلی کے حاکم مردوں کی جان تھی، بے قصور اس علاقے کے اندھے قانون کی بھینٹ چڑھ کر، اسی حویلی کے حاکم مردوں کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔

نایاب عبدالکریم کی ناگہانی موت کے بعد بیگم عبدالکریم تو زندہ لاش بن کر رہ گئی تھیں۔ محراب خود بھی پتھر کا مجسمہ بن کر رہ گئی تھی۔ زارون عبدالرحیم جو پہلے نایاب عبدالکریم کے لیے دردِ سر تھا اب وہ بلا اس کی ناگہانی موت کے بعد محراب عبدالکریم کے گلے آپڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی میں اگلے بہت سے دن خاموشی سے بسر ہوگئے تھے جب اس رات کھانے کی میز پر بیگم عبدالرحیم نے گویا دھماکہ کر دیا تھا۔ وسیع دسترخوان پر سب ہی افراد موجود تھے جب خاموشی سے کھانے کے دوران اپنے شوہر کے اشارے پر انہوں نے بیگم عبدالکریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی مریم۔" وہ جو روٹی لینے کے لیے ہاٹ پاٹ کھول رہی تھیں ان کے یوں اچانک خود کو مخاطب کرنے پر چونکی تھیں۔

"خیریت آپا؟"

"ہوں..... سب خیریت ہے۔"

"جی کہیں ایسی کیا بات ہے جو سب کی موجودگی میں ضروری ہے۔"

"بات ہی ایسی ہے سب کے سامنے ہی کھولی جائے تو بہتر ہے۔ تم جانتی ہو ابا مرحوم نے زارون اور نایاب بیٹی کا رشتہ دل سے طے کیا تھا، اب نایاب تو اس دنیا میں نہیں رہی تو عبدالرحیم سائیں

نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم زارون اور محراب کا نکاح کر دیتے ہیں، بیٹی کے لیے تمہاری پریشانی بھی ختم ہو جائے گی اور ابا مرحوم کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔"

وہ وہی بول رہی تھیں جو ان سے کہا گیا تھا مگر مریم بیگم کا ہاتھ وہیں فریز ہو گیا تھا۔ زارون کی عادات، اس کے مشاغل اور فطرت سے وہ اچھی طرح آگاہ تھیں پھر کیسے ایک کے بعد دوسری بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا دیتیں، تب ہی ہمت کر کے سر جھکاتے ہوئے بولیں۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پر بھابی جان مگر میں معافی چاہتی ہوں، میرے اور محراب کے دل میں ابھی نایاب کا غم تازہ ہے، میں ابھی محراب کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔"

محراب کی آنکھوں سے ان کے لفظوں پر دو موتی ٹوٹ کر گرے تھے جبکہ عبادتو کب کا وہاں سے اٹھ کر جا چکا تھا۔

اب تک خاموشی سے کھانا کھاتے زارون عبدالرحیم نے کن اکھیوں سے اسے کھانا چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھا اور مسکرایا تھا۔ محبت کرنے والے مخلص اور حساس دلوں کے ساتھ کھیلنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ بیگم عبدالرحیم کو شاید یوں صاف انکار کی توقع نہیں تھی تب ہی گڑبڑا کر شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہمیں جلدی نہیں ہے مریم..... تم اچھی طرح سوچ و بچار کر کے تسلی سے جواب دے دینا، اصل میں یہ میرے بیٹے کی بھی خواہش ہے جبکہ سردار صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ سردار عبدالکریم سائیں کے بعد وہ اپنی یتیم بھتیجی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھابی جان مگر ابھی یہ بات مجھے مناسب نہیں لگ رہی، مجھے تھوڑا وقت دیں، میں سوچ کر جواب دوں گی۔"

"ٹھیک ہے..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر ایک بات کان کھول کر سن لو مریم! محراب ہماری بیٹی، ہمارا خون ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ ہم کریں گے، تمہاری رضامندی صرف اس لیے ضروری ہے کیونکہ تم ماں ہو، بچی کو پالا ہے تم نے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس حویلی کی روایات یا ابا مرحوم کی

خواہش کے خلاف جانے کا تصور بھی کرو، سمجھ گئی ہوناں۔"

سردار عبدالرحیم صاحب نے پہلی بار ان دونوں خواتین کے درمیان بات چیت میں مداخلت کی تھی۔ محراب ان کے سخت لب و لہجے پر نفرت سے سامنے بیٹھے زارون کو دیکھتی دستر خوان سے اٹھ گئی تھی۔ اس کے یوں اٹھ کر چلے جانے پر سردار عبدالرحیم اور سردار عبدالطیف دونوں کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی مگر وہ ضبط کر گئے تھے۔ مریم بیگم کا جھکا سر، جھکا ہی رہ گیا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش اندر ہی کہیں سر پٹخ کر رہ گئی تھی۔

وہ ماں تھیں مگر ایک ایسی ماں جسے شوہر کا مضبوط ستون میسر نہیں تھا، جس چار دیواری میں وہ مقید تھیں وہاں انہیں اپنا ہر معاملہ رب العزت کے سپرد کر کے خود صبر کرنا تھا اور وہ یہی کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اسے اپنے کندھوں پر کسی کی مضبوط گرفت کا احساس ہوا تھا۔ پٹ سے آنکھیں کھلیں تو نظر کے سامنے عباد عبدالطیف کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ بھلا رات کے اس پہر وہ اس کے کمرے میں کیا کر رہا تھا؟

عباد عبدالطیف نے اس کی حیران آنکھوں کا سوال پڑھ لیا تھا، تب ہی سرگوشی میں بولا۔

"بات کرنی ہے تم سے، میرے پیچھے آؤ۔" وہ ازحد سنجیدہ تھا۔

محراب دھڑکتے دل کے ساتھ دوپٹا سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عباد کے تیزی سے چلتے قدم حویلی کے پچھواڑے میں طویل برآمدے کے کنارے پر جا رکے تھے۔

"یہاں بیٹھو...... کچھ پوچھنا ہے تم سے۔" محراب دیکھ سکتی تھی اس کی غلافی آنکھوں میں عجیب سا حزن تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ طویل برآمدے کی سیڑھیوں پر ٹک گئی تھی۔

"کچھ بھی پوچھنے کے لیے رات کا یہ پہر مناسب نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں مگر صبح تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔"

اس سے کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے وضاحت دی تو محراب خاموش رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

''نایاب بے قصور تھی؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا تھا جب وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''ہاں.....''

''کوئی ثبوت.....؟''

''کسی ثبوت کی اب کوئی اہمیت نہیں، وہ جا چکی ہے دنیا سے۔''

''تم یہاں تھیں ناں، تمہیں پتا تھا ناں سب؟ ایک فون نہیں کر سکیں مجھے؟ میں یہاں ہوتا تو یہ انہونی کبھی نہ ہوتی۔''

''کیا کرتے آپ..... بڑے تایا کے فیصلے سے ٹکراتے؟''

''ہاں..... میں مرد تھا ٹکرا سکتا تھا، غلط فیصلے سے باز رکھ سکتا تھا انہیں۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ محراب کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''ممکن ہے ایسا ہوتا مگر میرے اور نایاب کے پاس کوئی مہلت ہی نہیں تھی رات کو فیصلہ سنایا گیا اور صبح اذان سے پہلے گولی مار دی گئی۔''

''تم نے تایا ابو کو سچ بتانے کی کوشش کی؟''

''نایاب نے کی تھی مگر زارون نے اس کی پیشی نہیں جانے دی۔''

''زارون کو کیا مسئلہ تھا اس سے؟''

''ایک راز ہاتھ لگ گیا تھا اس کا نایاب کے ہاتھ، نایاب نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اسے حویلی میں ضرور بے نقاب کرے گی، اسی لیے اس نے اس کی موت پلان کر لی۔''

''ہوں..... کیا تمہیں پتا ہے اس کا راز کیا تھا؟''

''ہوں..... بتایا تھا نایاب نے، کسی لڑکی کے ساتھ حالت غیر میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا اس نے اسے.....''

''کیا..... وہ جانتا ہے کہ تم اس راز سے آگاہ ہو؟''

''ہاں.....''

''پھر بھی شادی کرنا چاہتا ہے وہ تم سے؟''

''ہاں..... کیونکہ اس کی شروع سے مجھ پر نظر ہے، نایاب کی موت بھی اسی لیے پلان کی اس نے تاکہ ایک تو حویلی کے مردوں کی نظر میں اس کا امیج خراب نہ ہو، دوسرا نایاب اس کے راستے کی رکاوٹ نہ بنے۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''میری چاہت کسی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، عورت ذات جو ٹھہری میں۔'' وہ اداس اور مایوس تھی۔ عباد گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''میرے لیے تمہاری مرضی جاننا ہر مسئلے سے زیادہ اہم ہے محراب.....'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

محراب نے آنسو پونچھ لیے تھے۔

''اپنی بہن کے قاتل سے شدید نفرت ہے مجھے۔''

''اور میرے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ محراب کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس کی چاہت خون بن کر رگوں میں دوڑ رہی ہے وہ خود سے کبھی اس سے یہ سوال بھی کر سکتا ہے۔ تب ہی پلکیں لرزیں اور چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' اس کا چہرہ اس کے اندر کے حال کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

''چلو ٹھیک ہے پھر میں کرتا ہوں اس زارون عبدالرحیم کا کوئی بندوبست.....''

اس بار محراب نے سر اٹھا کر صرف ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر واپس دوڑ گئی تھی۔ عباد عبداللطیف کے لیے اس کی مسکراہٹ کسی انمول خزانے سے کم نہیں تھی، تب ہی اسے خوش دیکھ کر وہ بھی مطمئن سا اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ زارون جو اپنی گرل فرینڈ سے موبائل پر بات کرنے کے لیے اس طرف آیا تھا ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اس کے اندر گویا بھانبھڑ جل اٹھے تھے۔ محراب

کی مسکراہٹ پر عباد کے اطمینان نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اسے نفرت سے رد کر کے وہ کسی اور کے خواب دیکھ رہی تھی اور یہی تو اس سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر اپنی ہار نہیں، تب ہی وہیں کھڑے کھڑے اس کے دماغ نے تیزی سے آگے کی پلاننگ شروع کر دی تھی۔ نایاب عبدالکریم کے بعد اب اس کا اگلا ہدف محراب عبدالکریم تھی۔

☆.....☆.....☆

سردار عبدالرحیم اس وقت کسی جرگے سے فارغ ہو کر حویلی واپس لوٹے تھے جب وہ ان کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ بیگم عبدالرحیم بھی اس وقت وہیں موجود تھیں، وہ صوفے پر باپ کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

''السلام علیکم بابا سائیں..... کیسا رہا آج کا جرگہ؟'' سردار عبدالرحیم نے محبت سے اپنے جواں سالہ بیٹے کو دیکھا پھر اپنا بازو اس کے مضبوط کندھوں کے گرد پھیلاتے ہوئے بولے۔

''رب سائیں کا کرم ہے..... سب کچھ صلح صفائی سے طے ہو گیا۔ سردار رئیس کے بیٹے کا گناہ پورے دو لاکھ میں جمال کمی کے بیٹے نے اپنے سر لے لیا ہے، اب پھانسی بھی چڑھ گیا تو خیر ہے۔ پیچھے گھر والے تو کچھ عرصہ پیٹ بھر کر کھائیں اور سوئیں گے۔''

کسی کی مجبوری اور بھوک کو پیسوں میں خرید کر وہ آسودہ تھے۔ زارون سر ہلا کر رہ گیا۔

''گڈ..... سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔''

''آہو..... الیکشن سر پر ہے، اب بیٹے کی ایک ''غلطی'' کی وجہ سے سردار رئیس سیٹ تو نہیں ہار سکتا ناں۔''

''یہ تو ہے..... ویسے بھی یہ کمی کمین، غریب مزارعے اسی لیے تو وڈیروں کے نمک پر پلتے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر کام آسکیں۔ خیر چھوڑیں، مجھے آپ سے کچھ اور بات کرنی تھی۔'' بنا وقت ضائع کیے وہ اپنے مطلب کی بات پر آیا۔ سردار عبدالرحیم اٹھتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئے تھے۔

''کہو کیا بات ہے؟''

''محراب کے بارے میں بات کرنی تھی بابا سائیں.....''

''محراب کے بارے میں.....خیر تو ہے؟'' وہ چونکے، ساتھ ہی بیگم عبدالرحیم بھی سلام پھیر کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں، تب ہی وہ بولا۔

''جی بابا سب خیر ہے.....بس کل کھانے کی میز پر جس طرح سے مریم چچی نے امی جان سے معذرت کی، بہت سوچتا رہا ہوں میں اسے۔ دیکھیں بابا، چچی اور محراب شاید ابھی نایاب کو بھول نہیں پائے ہیں، پھر چچا جان بھی حیات نہیں اور شاید نایاب والے واقعے کے بعد محراب مجھ سے شادی پر خوش بھی نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا یہ رشتہ زبردستی قائم ہو یا انہیں لگے کہ ہم ان کے ساتھ کوئی زیادتی کر رہے ہیں اس لیے میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مریم چچی یا محراب پر اس رشتے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے پلیز.....'' وہ سردار عبدالرحیم کا لاڈلا تھا اور انہی باتوں کی وجہ سے تھا۔ اب بھی اس کے الفاظ پر وہ مسکرا دیے تھے۔

''شاباش میرے شیر.....مجھے فخر ہے کہ تم میری بیٹے ہو۔'' بیگم عبدالرحیم کے چہرے پر بھی فخریہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

''زبردستی بنائے جانے والے رشتے کبھی کامیاب بھی نہیں ہوتے بیٹے.....تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے، جہاں تک میرا خیال ہے مریم عباد بیٹے کو اپنا داماد بنانا چاہتی ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولے۔

''کوئی نہیں، عباد بھی اپنا ہی خون ہے۔ میں کرتا ہوں عبداللطیف سے بات۔'' سردار عبدالرحیم کے چہرے پر اطمینان تھا۔

زارون اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بیگم عبدالرحیم نے سردار عبدالرحیم سے کہا۔

''دیکھ لیں سردار صاحب.....ہمارے زارون کا دل کتنا بڑا ہے۔''

''ہوں.....یہ تو ہے۔'' وہ خود بھی اپنے بیٹے کے اس فیصلے سے متاثر ہوئے تھے۔

یہ اسی شام کی بات تھی جب زارون نے پھر محراب عبدالکریم کا راستہ روک لیا تھا۔ عباد حویلی

میں موجود نہیں تھا جبکہ سردار عبدالرحیم اور سردار عبداللطیف دونوں ڈیرے پر تھے۔ گھر کی بزرگ تینوں خواتین اکٹھی بیٹھی اپنی باتوں میں مگن تھیں جب چھت سے اترتی محراب کے رستے میں وہ آ گیا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''تم سے مطلب؟''

''مطلب بہت ہیں..... بس تم سمجھتی نہیں ہو۔ خیر آؤ کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ محراب کو بے حد برا لگا تھا۔

''کلائی چھوڑو میری..... تم جیسے گھٹیا انسان کے ساتھ مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''اچھا..... چلو پھر گھٹیا تو گھٹیا ہی سہی، جتنا میں کوشش کرتا ہوں تمہارے معاملے میں بندہ بننے کی، اتنا ہی تم اپنی زبان کے ناجائز استعمال سے مجھے برا بننے پر مجبور کرتی ہو، بالکل اپنی بہن کی طرح.....'' اس بار وہ اسے کھینچتے ہوئے زبردستی چھت پر لے آیا۔ محراب کی آنکھیں اپنی بے بسی پر بھیگ گئی تھیں۔

''اپنی گندی زبان سے میری بہن کا نام مت لو۔''

''اچھا میری زبان گندی اور تمہاری بہن بہت اچھی تھی، ہوں؟'' اس کے گویا تلوؤں پر لگی، سر پر بجھی تھی۔

محراب نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''یہ جو زبان ہوتی ہے ناں..... یہی تخت سے تختے پر پہنچا دیتی ہے انسان کو مگر تم نے اپنی آنکھوں سے اپنی خود سر بہن کا بھیانک انجام دیکھ کر بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، چلو خیر اچھی لگتی ہو تم دل کو، تمہارے ساتھ تمہاری بہن والا سلوک نہیں کروں گا میں..... شکر مناؤ۔''

''بکواس بند کرو اپنی.....''

''بکواس تو ابھی شروع ہی نہیں کی میں نے..... تمہیں پتا ہے نایاب کے کالج میں داخلے کے لیے اپنے بابا کو سب سے زیادہ رضامند کرنے والا واحد شخص میں تھا۔ اگر میں بابا کو کنوینس نہ کرتا تو

تمہارے بابا کی ضد بھی ان کے غصے کے آگے کچھ نہیں کر سکتی تھی مگر میرے اس احسان کے بدلے تمہاری بہن نے کیا کیا؟ میرے قطعی پرسنل معاملے کو ہوا بنا کر مجھے ہی دھمکانے پر اتر آئی، اگر وہ یہ حماقت نہ کرتی تو مجھے کیا ضرورت تھی اس کی موت پلان کرنے کی، نہ وہ مجھے غصہ دلاتی، نہ میں اپنے دوست کو اس کے کمرے میں بھیج کر حویلی میں اس کی بدکرداری ثابت کرتا، تم خود بتاؤ کیا اپنی موت کے لیے وہ خود قصوروار نہیں۔"

وہ پراعتماد تھا۔ اپنے کسی عمل پر اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ محراب کا دل چاہا، وہ اس کا منہ نوچ لے۔

"چپ کر جاؤ تم..... اللہ کا واسطہ ہے تمہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چلائی اور زارون مسکرا دیا۔

"چلو ہو جاتا ہوں چپ..... بابا اور امی کے سامنے تمہاری ذات سے بھی دستبردار ہو گیا ہوں میں، جاؤ کر لو عباد سے شادی، کیا یاد کرو گی تم بھی کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔" اس وقت جو مسکراہٹ اس کے لبوں پر رقصاں تھی محراب اس سے خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس کے الفاظ اس کی کسی نئی پلاننگ کی چغلی کھا رہے تھے۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی جبکہ زارون بائیں ہاتھ سے اس کے بال بکھیرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

عباد اس رات قدرے تاخیر سے حویلی لوٹا تھا۔ محراب آدھی رات تک بے چینی سے کروٹیں بدلتی اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی تھی۔ جانے کیا بات تھی جب سے زارون نے اس سے بات کی تھی اس کا دل گویا کوئلوں پر جلنے لگا تھا۔ کیا کرنا چاہتا تھا وہ اس کے ساتھ؟

یہ تو طے تھا کہ وہ اسے مروانا نہیں چاہتا تھا، شادی سے وہ خود پیچھے ہٹ رہا تھا تو آگے اس کی کیا پلاننگ ہو سکتی تھی، سوچ سوچ کر اس کی شریانیں پھٹنے لگی تھیں۔ پوری رات انگاروں پر لوٹنے کے بعد صبح وہ فجر کی نماز کے لیے بستر سے نکلی تو جسم بخار کی زد میں تھا۔ بامشکل ہمت کر کے اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی، ابھی سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مریم بیگم وہاں چلی آئیں۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ محراب کا دل دھڑکا، جلدی جلدی دعا مانگ کر وہ ان کے قریب آئی۔

''امی.....کوئی بات ہوئی ہے؟''

''ہاں.....میری جان، یوں سمجھو ناممکن ممکن ہوا ہے۔''اس کا منہ چوم کر مسکراتے ہوئے انہوں نے بتایا۔

محراب نے ان کے دونوں ہاتھ محبت سے تھام لیے تھے۔

''ایسا کیا ہو گیا ہے جو آپ اتنی خوش دکھائی دے رہی ہیں۔''

''بات ہی ایسی ہے میری جان.....تم بھی سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔''

''اچھا ایسا کیا ہو گیا ہے صبح صبح؟''وہ حیران ہوئی۔

مریم بیگم پھر مسکرائیں۔

''اللہ نے بڑا کرم کیا ہے محراب.....سردار عبدالرحیم اور بھابی نے اپنی پوری رضامندی کے ساتھ تمہارا نکاح زارون کی بجائے عباد بیٹے کے ساتھ طے کر دیا ہے۔صرف یہی نہیں، انہوں نے تمہیں شہر کے بڑے مدرسے میں عالمہ کا کورس کرنے کی اجازت بھی دے دی، لانے لے جانے کی ذمے داری عباد بیٹے کے سر ہو گی اور اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ ہے کہ زارون کا امریکہ کی کسی یونی ورسٹی میں داخلہ ہو گیا ہے۔اگلے چند روز تک وہ پاکستان سے باہر چلا جائے گا۔''محراب دیکھ سکتی تھی ان کا چہرہ سچی خوشی سے دمک رہا تھا۔وہ رو پڑی تھی۔

''آپ سچ کہہ رہی ہیں امی؟''

''ہاں میری جان.....ابھی نماز کے بعد سردار صاحب اور بھابی جان نے مجھے خود اپنے کمرے میں بلا کر بات کی ہے، سردار عبدالطیف بھائی اور بھابی زینب بھی وہیں موجود تھیں۔''

''یہ تو بہت بڑی بے یقینی کی بات ہے امی.....میرا دل تو اس پر یقین ہی نہیں کر رہا، بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''

آنسوؤں کے موتی اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر گود میں گر رہے تھے۔مریم بیگم نے اسے محبت سے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

''سب اللہ کا کرم ہے محراب.....وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔یقیناً میری نایاب کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔سردار عبدالرحیم تمہیں خوشیاں سونپ کر نایاب کے ساتھ ہوئی زیادتی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو امی! جانے کیوں میرا دل عجیب سی بے چینی اور وہم کا شکار ہو رہا ہے، یوں جیسے پھر سے کچھ برا ہونے والا ہو۔زارون سے کسی بھی تباہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''پاگل مت بنو محراب.....اللہ نے چاہا تو اگلے چند روز میں سب کچھ بہتر ہو جائے گا اور پھر زارون جا رہا ہے ناں،اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں.....بس ایک بار عباد بیٹے کے ساتھ نکاح ہو جائے تمہارا پھر کوئی کچھ بھی کر لے،تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔''

''بے شک امی! اللہ کرے ایسا ہی ہو۔''

سر جھکاتے ہوئے اس نے دل سے دعا کی تھی مگر وقت کا بے رحم دیوتا اس کی دعا پر طنزیہ قہقہے لگاتا کچھ اور ہی پلان کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی میں بڑوں کی باہمی مشاورت سے بالآخر عباد اور محراب کا نکاح طے کر دیا گیا تھا۔ نایاب عبدالکریم کی ناگہانی موت کے پورے پانچ ماہ بعد اس حویلی میں سب خوش تھے۔ایک بیٹی کی قربانی کے بعد مریم بیگم کو لگا ان کی دوسری بیٹی کی زندگی محفوظ ہو گئی ہے۔

محراب عبدالکریم کے پاؤں تو گویا زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے۔خوشی ہی ایسی تھی کہ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔زارون عبدالرحیم اب زیادہ تر حویلی کے بجائے باہر زمینوں پر وقت گزارتا تھا۔حویلی میں عباد اور محراب کے نکاح سے جیسے اسے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تھا۔

عباد جو اس سے اچھا خاصا متنفر ہو چکا تھا،اب مطمئن ہو گیا تھا۔محراب کا شہر کے سب سے بڑے مدرسے میں داخلہ بھی ہو گیا تھا۔زندگی سبک روی سے پھر رواں دواں ہو گئی تھی۔لال حویلی کی اونچی دیواروں نے بالآخر عباد اور محراب کے نکاح کی خوشی بھی دیکھی اور اس دوران جتنی بار بھی محراب کا زارون سے سامنا ہوا، وہ اسے سنجیدہ اور خاموش ہی دکھائی دیا تھا۔ایک خوف جو ہمہ وقت اس کے

اعصاب پر سوار ہو گیا تھا، نکاح کے بعد جاتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

عباد عبدالطیف کے نکاح میں آنے کے بعد وہ ویسے بھی خود کو بہت مضبوط محسوس کرنے لگی تھی۔ زارون کی ایبروڈ کے لیے ٹکٹ کنفرم ہو گئی تو دل میں جو رہے سہے وسوسے تھے، وہ بھی خود بخود ختم ہو گئے تھے۔ زارون باہر چلا گیا، عباد نے زمینیں سنبھال لیں، حویلی میں ان کی شادی کی تاریخ پکی ہو گئی مگر انہی دنوں عجیب معاملہ ہوا کہ محراب کو مدرسے میں ہی ایک لڑکا تنگ کرنے لگا تھا۔ بظاہر اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی، نماز بھی پڑھتا تھا، مدرسے میں اس کی شرافت اور دیانت داری کی مثال دی جاتی تھی مگر محراب جانتی تھی کہ جیسا اس نے خود کو ظاہر کیا ہوا ہے، وہ ویسا نہیں تھا۔

مدرسے میں مختلف کلاسز کے دوران آتے جاتے جہاں موقع ملتا وہ محراب عبدالکریم کا رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا اور اسے اوچھے ہتھکنڈوں سے پریشان کرتا۔ شروع شروع میں اس نے برداشت کیا، مگر بات جب حد سے بڑھ گئی تو بہت سوچنے کے بعد اس نے بالآخر اپنی ماں اور عباد کو سب بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ مریم بیگم کے علم میں بات آئی تو انہوں نے فوری اسے مدرسہ چھوڑنے کا فیصلہ سنایا مگر عباد نے ایسا نہیں کیا۔

محراب کی زبانی اسے پتا چل گیا تھا کہ مدرسے والے کبھی بھی اس لڑکے کے خلاف ایکشن نہیں لیں گے لہٰذا اس نے اپنے طور پر اسے سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس روز موسم قدرے ابر آلود تھا۔ عباد نے اپنے طور پر اس کے معمولات چیک کیے اور مدرسے جاتے ہوئے راستے سے ہی اسے گن پوائنٹ پر اغوا کر لیا۔ حویلی میں کسی کو بھی اس کے معمولات کی خبر نہیں تھی۔ راستہ سنسان تھا لہٰذا تھوڑی سی ڈرائیو کے بعد اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی تھی۔

"باہر آؤ....." اگلے ہی پل گن پوائنٹ پر اس نے اسے گاڑی سے باہر گھسیٹا تھا۔ لڑکا قدرے حیران چپ چاپ گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"بھائی! جہاں تک میرا خیال ہے میں تو آپ کو جانتا تک نہیں، پھر مجھے کس جرم کی سزا دے

رہے ہیں آپ؟'' گاڑی سے نکلتے ہی اس نے پوچھا۔ جب عباد نے اس کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔

''سزا کے بچے..... شکل مومناں، کرتوت کافراں..... مگر تم شاید جانتے نہیں کس جگہ پنگا لیا ہے تم نے۔''

''بھائی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا آپ کیا کہہ رہے ہیں، ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''بکواس بند کرو، اپنے مدرسے والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو، میری نہیں۔''

''کیسی دھول..... مجھے بتائیں تو سہی میں نے کیا کیا ہے؟''

''کیا کیا ہے؟ میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے تم نے، موت سے کم کوئی سزا نہیں ہو سکتی تمہارے لیے۔''

''بھائی آپ ضرور کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں، میرا تو ایک ایک پل مدرسے کے لیے وقف ہے، میں بھلا ایسی گھٹیا حرکت کیوں کروں گا۔''

''اس کا جواب تو تمہیں مرنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔''

''ٹھیک ہے بھائی اگر آپ نے ٹھان ہی لی ہے کہ کسی بے قصور کے قتل کا گناہ اپنے سر لیں گے تو جیسی آپ کی مرضی!''

لڑکے کے قول و فعل میں کوئی تضاد نظر نہیں آ رہا تھا، تب ہی اسے پرے دھکیلتے ہوئے اس نے جیب سے موبائل نکالا اور اگلے ہی پل موبائل کی گیلری سے محراب کی پرانی تصویر نکالتے ہوئے اس نے سکرین اس لڑکے کے سامنے کر دی تھی۔

''میری منکوحہ ہے یہ، کیوں پریشان کرتے ہو اسے؟''

اپنی روایت کے قطعی خلاف جا کر اس نے یہ حرکت کی تھی، جواب میں اس لڑکے نے ایک نظر اسکرین پر ڈال کر منہ پھیر لیا تھا۔

''بھائی آپ یقین کریں نہ کریں مگر حقیقت یہی ہے کہ مدرسے کی ہر لڑکی کو میں اپنی سگی بہن

سمجھتا ہوں، یہ بھی میرے لیے سگی بہنوں جیسی ہے، میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کچھ ایسا ویسا کرنے کا، ہاں میں نے انہیں دو تین بار مدرسے میں کچھ غلط کرتے دیکھ کر ٹوکا ضرور ہے جس سے یہ بہن اور اس کی ایک دوست مجھ سے ناراض ہیں۔"

"نری بکواس..... یہ کچھ غلط نہیں کر سکتی۔"

"ٹھیک ہے بھائی، آپ کل اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا، ہر روز یہ بہن مدرسے والوں سے جھوٹ بول کر اپنی ایک دوست کے ساتھ مدرسے سے کہیں باہر جاتی ہے، میں نے منع کیا تو میری دشمن ہو گئی، کہتی ہیں مدرسے سے نکلوا دیں گی۔"

"ٹھیک ہے، جو الزام تم لگا رہے ہو، دعا کرو وہ جھوٹ نہ نکلے کیونکہ اگر یہ جھوٹ نکلا بہت بری موت دوں گا میں تمہیں۔"

کہنے کے ساتھ ہی سامنے کھڑے لڑکے کو دھکا دے کر گراتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

وہ رات اس کی زندگی کی کڑی رات تھی۔ بے حد تکلیف دہ رات، کروٹ پہ کروٹ بدلتے صبح ہو گئی مگر وہ سو نہ سکا، بے چینی ہی ایسی تھی۔ محراب مدرسے کے لیے تیار ہو گئی تو وہ بھی منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ اس روز گاڑی میں بھی وہ خاموش ہی رہا، محراب نے وجہ بھی پوچھی مگر وہ ٹال گیا۔

اگلے تیس منٹ کے بعد اسے مدرسے چھوڑ کر وہ خود وہیں مدرسے سے قدرے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ دل دھڑک دھڑک کر ایک ہی دعا کر رہا تھا کہ اس لڑکے کی بات جھوٹی ہو، مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ محراب مدرسے پہنچنے کے تقریباً اڑھائی گھنٹے بعد ایک لڑکی کے ساتھ مدرسے سے نکلی اور پاس سے گزرتے رکشے کو روک کر اس میں بیٹھ گئی تھی۔ عباد کو لگا اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

ایسا کون سا ضروری کام تھا جس کے لیے وہ یوں سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر مدرسے سے نکل سکتی تھی جبکہ اسے اپنے علاقے اور حویلی کے سخت ترین اصولوں کا بھی پتا تھا۔ خون آنکھوں میں

کیسے اترتا ہے کوئی اس لمحے عباد عبدالطیف سے پوچھتا۔ اس لمحے اس میں اتنی سی بھی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اس کا پیچھا ہی کر سکتا، بہت سے لمحے وہیں بیٹھ کر خود پر ضبط کرنے کے بعد شام ڈھلے بالآخر وہ وہیں سے شکستہ دل واپس لوٹ آیا تھا۔ اسی روز شام میں محراب کی مدرسے سے واپسی کے بعد اس نے اسے چھت پر بلا لیا تھا۔

دونوں سردار اس وقت ڈیرے پر تھے جبکہ حویلی کی بیگمات روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھیں۔ محراب دھڑکتے دل کے ساتھ موقع دیکھ کر چھت پر چلی آئی تھی۔

عباد چارپائی پر چت لیٹا، ایک ٹانگ موڑ کر دونوں بازو سر کے نیچے دھرے تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہا تھا، اس کے چھت پر آتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آؤ بیٹھو، تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"خیریت.....؟" وہ قدرے پریشان تھی، عباد نے نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر جما دیں۔

"کچھ بات کرنی تھی۔"

"جی کہیں؟" دونوں ہاتھ گود میں دھرے وہ اس کے پہلو میں ٹک گئی تھی۔ عباد نے اس کے دونوں ہاتھوں پر اپنا بھاری مضبوط ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں محراب.....اسی مہینے ہماری شادی ہو جائے، ابو اور تایا ابو کو یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہوگا، تم کیا چاہتی ہو؟" وہ اس کی رائے لے رہا تھا، محراب کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

"ہماری شادی تو طے ہے پھر یوں اچانک جلدی کی وجہ؟"

"کچھ خاص نہیں، بس مکمل طور پر اپنی دسترس میں دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں۔"

"کیا آپ کو کوئی خوف لاحق ہے؟"

"نہیں....."

"تو پھر جلدی کر کے سب کی نظروں میں ہمارے تعلق کو مشکوک کرنے کی کوشش مت کریں۔" وہ کسی اور خیال سے کہہ رہی تھی، عباد نے اسے کسی اور خیال سے لیا تھا۔

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی.....''

''اس لڑکے کا کیا بنا..... سبق سکھایا آپ نے اسے؟''

عباد کے گہری سانس بھر کر نظر پھیر لینے پر وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی تھی۔ جواب میں عباد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے ہٹا لیا تھا۔

''ہوں.....''

''اب تو پریشان نہیں کرے گا ناں وہ مجھے؟''

''نہیں..... لیکن بہتر ہے تم رخصتی تک مدرسے نہ جاؤ۔''

''کیوں؟'' وہ پریشان ہوئی تھی۔ عباد نے نظریں پھر اس کے چہرے پر جمائیں۔

''میں کہہ رہا ہوں، کیا یہ کافی نہیں ہے۔''

''کافی ہے، مگر یوں اچانک.....''

''بس..... میں نہیں چاہتا اس لڑکے کے بعد پھر کوئی اور تمہیں تنگ کرے اور میں اپنے سارے ضروری کام چھوڑ کر اس سے دشمنی مول لیتا پھروں۔''

''ٹھیک ہے کل میں مدرسے والوں کو کہہ آؤں گی میں نہیں آسکتی۔''

''ہوں.....''

''اب جاؤں؟''

''ہاں جاؤ..... میں تھوڑی دیر آرام کروں گا اب۔'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر تنہا رہنا چاہتا ہے مگر اس نے اسے کسی الجھن میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ محراب قدرے پریشان سی اس کے پہلو سے اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز محراب کو مدرسے چھوڑنے کے بعد وہ سیدھا ڈیرے پر آیا تھا۔ سردار عبدالرحیم اور سردار عبداللطیف اس وقت وہیں موجود تھے۔ عباد نے بڑے طریقے کے ساتھ اپنی جلد شادی کی خواہش

http://kitaabghar.com

ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ محراب کے ساتھ اس کا رشتہ کسی بھی آزمائش کی بھینٹ چڑھے، ایک طرح سے اسے محراب عبدالکریم پر اندھا یقین تھا۔ سردار عبدالرحیم نے اس کی خواہش پوری کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔ زارون اس وقت پاکستان نہیں آ سکتا تھا۔ دو ماہ بعد اس کی ہونے والی شادی دو ہفتے بعد ہونا طے پا گئی تھی۔ عباد نے طے کر لیا تھا وہ بنا محراب سے کوئی وضاحت لیے، پورے خلوص کے ساتھ اسے اپنی زندگی میں شامل کرے گا۔

ڈیرے سے حویلی واپسی پر اس نے حویلی کی خواتین کو بھی یہ خوش خبری سنا دی تھی۔ اب اسے شام کا انتظار تھا، مدرسے سے محراب عبدالکریم کی واپسی پر وہ اسے یہ سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ محراب عبدالکریم اس روز مدرسے سے واپس ہی نہیں آئی تھی۔ مدرسے والوں کے بقول وہ کسی ضروری کام کا عذر پیش کر کے چھٹی سے پہلے ہی مدرسے سے رخصت ہو گئی تھی۔ پاؤں تلے زمین نکلنا اور سر پر آسمان گرنا کسے کہتے ہیں، عباد عبداللطیف کو اس لمحے پتا چلا تھا۔ ابھی کل ہی تو اس نے مدرسہ چھوڑنے کا کہا تھا اور آج وہ غائب ہو گئی تھی۔

کیوں؟ اس نے تو کہیں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، صبح اسے مدرسے کی محفوظ عمارت میں اتار کر شام میں وہ خود اسے اسی محفوظ پناہ گاہ سے پک کرتا تھا پھر وہ جھوٹ بول کر کہیں غائب کیوں ہوئی تھی؟

کسی ہتھوڑے کی طرح یہ ''کیوں'' اس کے دماغ کو توڑ پھوڑ رہا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی مگر وہ حویلی واپس جانے کے بجائے شہر کی ایک ایک سڑک ایک ایک چپہ چھان رہا تھا۔ وہ گھر جہاں اس نے اس روز اسے کسی لڑکی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا اسے بھی تالا لگا ہوا تھا۔ مدرسے کے سی سی ٹی وی کیمرے میں اسے واضح مدرسے کے گیٹ سے اکیلے نکل کر کچھ ہی فاصلے پر کھڑی ایک سفید رنگ کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔ کوئی قیامت تھی جو اس شام عباد عبداللطیف کے دل پر ڈھے گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ غم و غصے میں ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ لال حویلی کی بے رحم بلند و بالا دیواروں تک رات گئے محراب عبدالکریم کے بھاگنے کی خبر پہنچ گئی تھی۔

مریم بیگم تو یہ سنتے ہی بے ہوش ہوگئی تھیں جبکہ حویلی کی دیگر خواتین پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ نایاب عبدالکریم کی اس حویلی میں ناگہانی موت کے ٹھیک سات ماہ بعد وہاں محراب عبدالکریم کی عبرت ناک موت کا فرمان جاری کر دیا گیا تھا۔ اس کی پیدائش نایاب کی پیدائش سے ٹھیک سات ماہ بعد ہوئی تھی اور اب اس کی موت کا فرمان بھی اس کی موت کے ٹھیک سات ماہ بعد طے ہوگیا تھا۔ پورے سات ماہ بعد اس حویلی میں اترنے والی وہ ایک خون آشام رات تھی۔

☆.....☆.....☆

طویل سفر کے بعد جس وقت محراب کو ہوش آیا شام ڈھل رہی تھی۔ وہ پٹی جو اسے بے ہوش کرتے وقت اس کی آنکھوں پر باندھی گئی تھی، اب نہیں تھی۔ آنکھیں مسلتے ہوئے اس نے اردگرد دیکھا، وہ ایک بے حد خوب صورت ڈیکوریٹڈ گھر تھا۔ نیا بنا ہوا، سجا سجایا خوب صورت گھر۔ اسے یاد آیا جب وہ مدرسے سے اپنی دوست غزالہ کی اطلاع پر کہ اس کا کزن عباد کسی ایمرجنسی میں باہر اسے لینے آیا ہے، کلاس انچارج کو بتا کر نکلی تھی تو دن تھا۔ دل میں سر اٹھاتے مختلف وسوسوں کو روندتی، وہ سڑک پر بالکل عباد جیسی گاڑی دیکھ کر مطمئن ہوگئی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ آنے والے اگلے چند لمحوں میں کیا ہونے والا ہے؟

گاڑی میں اس کے بیٹھتے ہی کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا، ساتھ ہی اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ محراب سمجھ ہی نہ سکی کہ اچانک اس کے ساتھ کیا ہوگیا ہے؟ اس کا سر تیزی سے چکرایا اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے بے ہوش ہوئے کتنا وقت گزرا، تاہم وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اس کے ساتھ وہ انہونی ہوچکی ہے جس کا اسے ڈر رہتا تھا۔

لال حویلی کے بند در ودیوار اور مکین اب اس پر حرام ہوچکے تھے۔

دل تھا کہ گویا پسلیوں میں ہی دم توڑ گیا تھا، جبکہ آنکھیں یوں برس رہی تھیں جیسے وہ خود اپنی موت پر رو رہی ہوں۔ اسے ہوش میں آئے ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا جب کمرے کا دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور اگلے ہی لمحے زارون عبدالرحیم چہرے پر ہلکی سی فخریہ مسکراہٹ سجائے اس کے

مقابل چلا آیا تھا۔ محراب کی آنکھیں اسے دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''تم.....؟'' اسے جیسے اپنی بینائی پر شک ہوا تھا۔ جواب میں زارون کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔

''ہاں میں..... کیوں اور بھی کسی مرد کے ساتھ کوئی دشمنی ہے کیا تمہاری؟'' اس کے بالکل قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے اس کے گالوں کو چھوا، وہ ہراساں سی بدک کر دور ہوئی۔

''نہیں..... تم اتنا نہیں گر سکتے، اپنی سگی چچازاد کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو تم؟'' اسے ابھی تک اپنی بصارت پر یقین نہیں تھا۔ زارون مزے سے مسکراتے ہوئے زمین پر اس کے پہلو میں ساتھ چپک کر بیٹھ گیا تھا۔

''تمہیں کیا لگا..... اتنی آسانی سے میں تمہیں مسز عباد ہونے دوں گا؟ ارے پاگل..... ایک تمہیں نہ کھونے کے لیے تو تمہاری سگی بہن اور اپنی سگی چچازاد کزن کے کمرے میں آدھی رات کو، اپنا دوست گھسا کر اسے بے موت مروایا اور تم نے سمجھ لیا میں یوں آسانی سے نہایت شرافت کے ساتھ تمہیں کسی اور کے ساتھ زندگی گزارتے دیکھ لوں گا۔ نہیں محراب اتنا بڑا دل اور ظرف نہیں ہے میرا۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ اس کے دونوں کندھوں کے گرد پھیلا دیا۔ محراب کو لگا جیسے اس کے وجود پہ کسی نے بم سے بلاسٹ کر دیا ہو۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے کندھوں کے گرد سے اس کا بازو جھٹک دیتی۔ دل کا وہم سچ بن کر سامنے آ گیا تھا۔

بے ساختہ اس کو اپنی ماں کا خوشی سے دمکتا چہرہ یاد آیا، وہ کتنی مسرور اور مطمئن تھیں کہ زارون ایبرو ڈ چلا گیا ہے اب ان کی بیٹی کی زندگی میں کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔ خوشی سے دمکتا وہ چہرہ مدرسے سے اس کے غائب ہو جانے کی خبر پر دکھ سے کیسے سفید پڑا ہوگا، وہ واضح محسوس کر سکتی تھی۔ اپنی مہربان ماں کے ساتھ ہی اسے عباد عبدالطیف کی ستاروں سی چمکتی نگاہیں یاد آئی تھیں جو اس کی طرف اٹھتی تھیں تو ان کی روشنی مزید بڑھ جاتی تھی۔ اسے یاد آیا وہ اس سے جلد شادی کا خواہاں تھا، اس نے اسے مدرسہ چھوڑنے کا حکم دیا تھا، پتا چلا ہوگا کہ وہ مدرسے میں نہیں ہے تو اس پر کیا بیتی ہوگی؟ حویلی کے مردوں نے اس کے

غائب ہونے کو کیا رنگ دیا ہوگا؟ حویلی کی عورتوں پر اس کی گمشدگی کیسی قیامت بن کر ٹوٹی ہوگی؟

جیسے جیسے اسے خیال آ رہا تھا، اس کا دل گہرے پاتال میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اسے نایاب یاد آئی۔

وہ نایاب جو اس سے پورے سات ماہ بڑی تھی، جو اس سے زیادہ ذہین، حویلی میں اس سے زیادہ چہیتی، زیادہ سمجھدار تھی، مگر زارون عبدالرحیم نے اسے ہرا دیا تھا، اس کی پاکیزگی جس کی گواہی پورا علاقہ دیتا تھا، پھر بھی اسے موت کی سزا ملی تھی۔ بچپن سے جوانی تک اس کے گزرے ایک ایک پل کے گواہ اس کے اپنے رشتوں نے اس پر بدکرداری کی مہر لگا دی تھی۔ زارون عبدالرحیم نے خود کو صحیح رکھنے کے لیے اسے سب کی نظروں میں غلط ثابت کر دیا تھا تو اب وہ اس کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب جبکہ وہ عباد عبداللطیف کی منکوحہ تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا تب ہی اس نے زارون کو کہتے سنا۔

"کیا ہوا..... ڈر گئی مجھ سے، ارے پاگل! بتایا تو تھا تمہیں..... تم حویلی کے کسی مرد کی گولی کا نشانہ نہیں بنو گی، تمہیں میں اپنی زندگی کا حصہ بناؤں گا۔ ٹرسٹ می....." اس لمحے اس شخص کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی۔ محراب نے ہارے ہوئے انداز میں سر گھٹنوں میں ٹکا دیا..... اس کے دل کی بے چینی اور وہم غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔ زارون عبدالکریم اس کی زندگی میں تباہی لے آیا تھا۔

جب درد پرانے ہو بیٹھے
جب یاد کا جگنو راکھ ہوا
جب آنکھ میں آنسو برف ہوئے
جب زخم سے دل زندہ ہوں
تب دل کو دھڑکنا یاد آیا
جب کرب کی لمبی راہوں میں
احساس کے بال سفید ہوئے
جب آنکھیں بے سیلاب ہوئیں
جب چاند چڑھا بے دردی کا
جب ریت پہ لکھی یادوں کو

بے مہر ہوا نے چھین لیا
جب یادرتیں بیدار ہوئیں
تب مجھ پہ کھلا میں زندہ ہوں
تب دل کو دھڑکنا یاد آیا
پھر وقت نے کچھ انگڑائی لی
پھر سوچ کی قبر سے دھول اڑی
پھر پیار کا برزخ بھول گیا
اک ہجر سے کیا آزاد ہوئے
سو ہجر نئے ایجاد ہوئے
پھر اشک میں دریا قید ہوا
پھر دھڑکن میں بھونچال پڑے
پھر عشق کا جوگی گلیوں میں
تقدیر کا سانپ اٹھا لایا
پھر عشق کا جنگل سبز ہوا
پھر زلف کے تیور شام ہوئے
اس شام میں پھر ماہتاب چڑھا
پھر ہونٹ کی لرزش گیت بنی
پھر درد زلیخا بن بیٹھا
پھر کرب کا قرب جوان ہوا
پھر مجھ پہ کھلا میں زندہ ہوں
تب دل کو دھڑکنا یاد آیا

☆......☆......☆

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
facebook.com/kitaabghar.com
kitaabghar.com
کتاب گھر پیشکش

لال حویلی کی اونچی دیواروں میں محراب عبدالکریم کے اغوا کا وہ دوسرا دن تھا جو سوگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ عباد نے بے حد خاموشی کے ساتھ اسے طلاق دے دی تھی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں سگریٹ کے نجانے کتنے پیکٹ اس نے پھونک ڈالے تھے۔ دل پر جو لگا تھا بڑا گہرا وار تھا۔ محراب عبدالکریم اس کے ساتھ جھوٹ بول سکتی ہے، دھوکا دے سکتی ہے، اس نے تو اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا، مگر پھر بھی یہ تلخ حقیقت اسے برداشت کرنی پڑ رہی تھی۔ محراب کی دوست غزالہ نے، بمشکل اس سے رابطہ کر کے اس تک محراب کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا اس کا خط پہنچایا تھا اور یہی وہ خط تھا جس کے بعد اس نے اسے طلاق دے کر اس کا فیصلہ حویلی کے سرداروں کے سپرد کر دیا تھا۔ محراب نے لکھا تھا۔

السلام علیکم عباد!

میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت مخلص ہیں، سچا پیار بھی کرتے ہیں مگر میں معافی چاہتی ہوں میں چاہتے ہوئے بھی آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مجھے نفرت ہے لال حویلی کی روایات سے، جس دن اس حویلی کے سرداروں نے میری بے قصور بہن کو موت کی گہری نیند سلایا اسی روز میں نے یہ قسم کھائی کہ میں ان سرداروں سے اپنی بہن کی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔ جس الزام میں ان ظالم بے حس مردوں نے میری بہن کو موت دی، وہ الزام حقیقت بنا کر ان کے مکروہ چہروں پر کالک ضرور ملوں گی۔ مجھے معاف کر دینا عباد، میں نے آپ کا استعمال کیا، کیونکہ زارون بہت ہوشیار نکلا وہ میرے قابو میں نہیں آیا۔ اب علاقے کے لوگوں کو بتانا، نایاب عبدالکریم کی بہن محراب عبدالکریم نے کیا کیا ہے؟ ہو سکے تو میری ماں کو میرے گناہ کی سزا مت دینا، کیونکہ وہ بے قصور ہیں۔

فقط ایک باغی

محراب عبدالکریم

جتنی بار اس نے یہ خط پڑھا تھا اس کے اندر نئے سرے سے توڑ پھوڑ ہوئی تھی۔ کتنی بار وہ ٹوٹ کر بکھرا تھا، رویا تھا۔ حویلی کے سرداروں نے جس وقت محراب عبدالکریم کی موت کا فیصلہ سنایا، وہ یوں ساکت بیٹھا تھا گویا تن مردہ میں جان ہی نہ ہو۔ گویا محراب عبدالکریم کی موت سے اسے کوئی لینا دینا ہی

نہ ہو۔ مریم بیگم خود زندہ لاش بن کر رہ گئی تھیں۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب ان کی آنکھیں خشک ہوتی ہوں۔

ایک بیٹی کی المناک موت کے بعد دوسری بیٹی کو کھونے کی ہمت ہی نہیں تھی ان کے اندر۔ تب ہی ہمہ وقت جائے نماز پر بیٹھی وہ بس ایک ہی دعا کرتی تھیں کہ محراب زندگی میں کبھی لوٹ کر حویلی میں نہ آئے۔ سردار عبدالرحیم نے زارون کو کال کر کے حویلی کے تازہ حالات بتا دیے تھے اور اس نے ان سے درخواست کی تھی کہ جب تک وہ امریکا سے واپس نہیں آتا، محراب عبدالکریم کی سزا پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ پورے چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد حویلی میں سب سے بات کر کے وہ محراب کے پاس آیا تھا جو پچھلے چوبیس گھنٹے سے بھوکی پیاسی بیٹھی بس رو رہی تھی۔

''ایک خوش خبری ہے تمہارے لیے۔'' مسکراتی نگاہوں سے اس کا مرجھایا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب ہی ٹک گیا تھا۔ وہ پتھر کی مورت بنی بیٹھی رہی تھی۔

''پوچھو گی نہیں کیا خوش خبری ہے؟'' اس وقت محراب کی حالت اسے لطف دے رہی تھی، وہ چپ رہی تھی۔

''چلو میں خود ہی بتا دیتا ہوں، تمہارے عباد عبداللطیف صاحب نے طلاق دے دی ہے تمہیں اور اس کے طلاق دینے کے بعد حویلی کے سرداروں نے تمہاری بہن کی طرح تمہارے لیے بھی موت کی سزا طے کر دی ہے۔ آسان لفظوں میں اب اگر تم حویلی جاتی ہو تو تمہاری زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں، اب بتاؤ آگے کیا پلاننگ ہے تمہاری؟'' وہ اتنا مطمئن اور مسرور تھا کہ محراب برستے آنسوؤں کے ساتھ حیرانی سے اسے فقط دیکھتی رہ گئی تھی۔ کسی انسان کا ایسا گھناؤنا، شیطانی روپ بھی ہو سکتا ہے، اسے آنکھوں دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیا ہوا..... یقین نہیں آ رہا..... لو ریکارڈنگ سن لو، مجھے پتا تھا تمہیں یقین نہیں آئے گا اسی لیے کال ریکارڈ کر لی، ابھی حویلی بات ہوئی ہے جو تازہ حالات ہیں وہاں کے وہی بتا رہا ہوں تمہیں۔''

اسے خاموش دیکھ کر وہ پھر مسکرایا۔ محراب کے برستے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی تھی۔ کتنا آسان تھا اس شخص کے لیے کسی کی بھی زندگی کو ادھیڑ کر رکھ دینا۔ موبائل کے اسپیکر سے کمرے میں اس

وقت سردار عبدالرحیم کی غصیلی آواز گونج رہی تھی۔ وہ جیسے جیسے سنتی گئی، اس کا وجود بے جان ہوتا گیا۔ واپسی کے سارے دروازے بند ہو گئے تھے۔ زندگی کے سارے دروازے بھی بند ہو گئے تھے۔ زارون نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ دیے تھے۔

"آ گیا یقین..... چلو اب میں تمہیں بتاتا ہوں، یہ سب ہوا کیسے؟ اصل میں تم نے بھی وہی نایاب والی غلطی کی، میرے منہ پر مجھے رد کر دیا۔ صرف رد نہیں، وارن بھی کر دیا۔ ذرا سوچو کیسے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ سکتا تھا۔ بہت سوچا کیا ایسا کروں کہ تم خود رو رو کر مجھ سے میری رفاقت مانگو، سوائے میرے اور کوئی تمہارا حق دار نہ ہو، بہت سوچ سوچ کر یہی حل سمجھ میں آیا کہ تم سے تمہاری پاکیزگی چھین لوں۔ یہ سب آسان نہیں تھا، اس لیے مجھے پوری پلاننگ کرنی پڑی۔ بالکل ویسی ہی پلاننگ جیسی نایاب کے لیے کی تھی۔ لہٰذا تمہارے کیس میں بھی وہی دوست کام آیا جسے آدھی رات کو نایاب کے کمرے میں بھجوا کر اس پر اس کی بدکرداری ثابت کی، پہلے داڑھی رکھوائی، پھر اسی مدرسے میں سفارش کر کے بلا معاوضہ ملازمت پر لگوایا، جہاں بابا نے تمہارے داخلے کی اجازت دی تھی۔ صرف میری دوستی میں اس نے شرافت کا چوغا پہن کر مدرسے کی سادہ لوح انتظامیہ کا اعتماد جیتا لیکن صرف اس کا کردار کافی نہیں تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ ساتھ غزالہ کی مدد لینی پڑی۔ غزالہ کو تو جانتی ہو ناں تم..... تمہاری دوست، وہی دوست جو تم سے اور مدرسے والوں سے جھوٹ بول کر صرف میرے حکم پر تمہیں اپنی بیمار ماں کی جھوٹی کہانی سنا کر، بے وقوف بنا کر، اپنے گھر لے جاتی رہی اور تمہارے سامنے اپنی معذور ملازمہ کو اپنی ماں بنا کر تمہاری ہمدردی حاصل کرتی رہی۔ تمہارے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو گی کہ میں نے یہ سب کیوں کیا؟ چلو بتا دیتا ہوں کیا یاد کرو گی تم بھی کہ کیسے سچے کھرے انسان سے پالا پڑا تھا تمہارا، ڈیئر محراب عبدالکریم میں نے یہ سب تمہیں تمہارے عباد کی زندگی سے نکالنے کے لیے کیا، اب تم لاکھ چیخ چیخ کر سب کو بتاتی رہو کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ شیطانی کھیل کھیلا ہے مگر کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا، بھلا کیوں؟ کیونکہ میں تو پاکستان میں ہی نہیں ہوں..... ہاہاہا!" اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ دل کھول کر ہنسا۔ محراب ساکت بیٹھی اسے سنتی اور دیکھتی رہی تھی۔

http://kitaabghar.com

''کتنی بھولی ہو ناں تم بھی بلکہ نہیں تم تو بے وقوف ہو، میں نے کہا میں عباد عبدالطیف کے حق میں دستبردار ہو رہا ہوں اور تم نے یقین کر لیا۔ اچھی طرح مجھ سے واقف ہونے کے باوجود یقین کر لیا تم نے، کتنی حیران کن بات ہے ناں۔'' اس بار اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا تھا۔ محراب نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''دور رہو مجھ سے زارون عبدالرحیم! مت بھولو کہ اللہ سے بڑا پلانر اور کوئی نہیں، وہ جب کسی ظالم کی رسی کھینچنے پر آتا ہے ناں تو اسے توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتا، کیا خبر تمہاری جو پلاننگ ہے تمہیں اس میں کامیاب ہونے کی مہلت بھی ملتی ہے یا نہیں؟''

''اچھا..... پھر دھمکی دے رہی ہو مجھے؟''

''دھمکی نہیں، بددعا دے رہی ہوں۔''

''ہاہاہا..... چیونٹی ہو تم محراب عبدالکریم، میرے سامنے چیونٹی جتنی حیثیت بھی نہیں تمہاری، بے فکر رہو۔ تمہاری بددعائیں مجھ پر کوئی اثر نہیں کرنے والیں۔'' وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ محراب لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھتی صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

محراب عبدالکریم کے اغوا کا وہ تیسرا دن تھا جب زارون نے اسے بے ہوشی کی حالت میں حویلی سے قدرے فاصلے پر پھینک دیا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہارے پرندے اپنی اپنی چونچ میں بچوں کا رزق سمیٹ کر افق کے اس پار ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھونسلوں کو واپس پلٹ رہے تھے..... تب ہی حویلی کے ایک ملازم کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔

جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے کپڑوں میں ملبوس وہ حویلی سے چند قدم کے فاصلے پر اوندھے منہ بے ہوش پڑی تھی۔ ملازم کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی اس نے فوراً حویلی اطلاع کر دی تھی۔ ایک قیامت اس حویلی پر تین روز پہلے ٹوٹی تھی جب وہ اغوا ہوئی تھی اور ایک قہر اب ٹوٹا تھا جب وہ واپس آ گئی تھی۔ مریم بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی گناہ گار نہیں ہے، مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اس کے

باوجود اسے اس حویلی میں بے موت مار دیا جائے گا۔ حویلی کے پچھواڑے میں بے گور و کفن دفن ہونے والی اس بدنصیب حویلی کی بدنصیب خواتین میں ایک اور اضافہ ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆

بار بار وہ بے ہوش ہو جاتیں اور بار بار انہیں ہوش میں لایا جاتا تھا۔ عباد کو جب سے اس کی واپسی کی اطلاع ملی تھی، وہ اسی وقت گاڑی لے کر حویلی سے نکل گیا تھا۔ سردار عبداللطیف بضد تھے کہ جو خطا محراب سے ہوئی ہے، اس میں کسی طور معافی کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے محراب کی سزا پر عمل کیا جائے مگر سردار عبدالرحیم زارون کی وجہ سے معاملہ لٹکا رہے تھے۔ مریم بیگم جب بھی ہوش میں آتیں، باری باری دونوں سرداروں کے پاؤں پکڑ کر ان سے اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگتیں مگر وہاں ان کی التجائیں کوئی اثر دکھانے والی نہیں تھیں۔

محراب عبدالکریم کو رعایت دینے کا مطلب تھا حویلی کی دیگر لڑکیوں کو غلط راستے پر آگے بڑھنے کا حوصلہ دینا اور یہ وہ کسی صورت گوارا نہیں کر سکتے تھے، تب ہی سردار عبدالرحیم نے زارون پر واضح کر دیا تھا کہ وہ جلد از جلد حویلی پہنچے تاکہ محراب کو دی جانے والی سزا پر عمل کیا جا سکے۔ زارون نے ہامی بھر لی تھی اور اب وہ حویلی میں موجود تھا۔ پتھر کی مورت بنی محراب کو مریم بیگم نے جی بھر کر پیٹا، اگر زینب بیگم نہ سنبھالتیں تو شاید وہ اس کی جان ہی لے لیتیں۔ بیٹی کی بے گناہی کا یقین ہونے کے باوجود انہیں اس پر غصہ تھا کہ وہ ان کے منع کرنے کے باوجود مدرسے کیوں گئی، اگر وہ ان کے حکم پر مدرسے جانا چھوڑ دیتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

زارون سردار عبدالرحیم اور عبداللطیف کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سردار عبداللطیف کہہ رہے تھے۔

"اس لڑکی نے اپنی بہن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پورے علاقے میں ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ میرا اور میرے بیٹے کا ظرف تھا کہ اس کی بہن کا گناہ بھلا کر ہم نے اسے عزت دی، نام دیا مگر اس نے کیا کیا، ہمیں ہی اپنے انتقام کی زد پر رکھ لیا۔ خط پڑھو اس کا، کیسے باغیانہ خیالات ہیں اس لونڈی کے اپنے ہی بزرگوں کے خلاف، آج اسے معافی دینے کا مطلب ہے حویلی کی روایات کے

خلاف جانا، نئی آنے والی پیڑھی کے لیے خود برائی کی راہ ہموار کرنا اور ایسا میں کسی صورت نہیں ہونے دوں گا۔" ان کے بیٹے کا دل ٹوٹا تھا لہٰذا ان کا غصہ جائز تھا۔

زارون نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں مانتا ہوں چاچا سائیں کہ آپ کی ہر بات بالکل درست ہے مگر یہ بھی تو دیکھیں مریم چچی کس حال میں ہیں۔ ابھی سات ماہ پہلے ان کی ایک جواں سالہ بیٹی اسی حویلی میں کاروکاری ہوئی ہے، وہ کیسے یہ صدمہ برداشت کریں گی؟"

"جیسے بھی کرے، ہمیں پروا نہیں ہے۔ اپنی بیٹیوں کی پرورش میں جو کوتاہی اس سے ہوئی ہے اس کی سزا اسے ملنی چاہیے۔"

"نہیں چاچا سائیں..... ان کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اپنی بیٹیوں کی پرورش میں ان سے کہیں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ یقیناً معاملہ کچھ اور ہے، میں محراب کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے، پلیز مجھے اپنے طور پر اس معاملے کو دیکھنے دیں، یہ نہ ہو روز قیامت عبدالکریم چاچا ہمارا گریبان پکڑ کر کھڑے ہوں۔"

"زارون کی بات میں وزن ہے عبداللطیف....."

"وزن ہو نہ ہو، میں اس سے متفق نہیں ہوں..... سارا علاقہ ہم پر تھوتھو کر رہا ہے کہ ہماری حویلی کی لڑکیاں ایسی ہیں، خط نہیں پڑھا آپ نے اس کا، پیچھے کیا رہ جاتا ہے؟ اور پھر عباد طلاق دے چکا ہے، کون اپنائے گا اب اسے؟ ساری زندگی کالک کا نشان بن کر ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہے گی۔" بیٹے کی طرف داری کرنے پر سردار عبداللطیف نے سردار عبدالرحیم سے پہلی بار اختلاف کیا تھا۔ تب ہی زارون بولا۔

"اس نے چاہے جو بھی لکھا ہو، مگر میں سردار عبدالرحیم کا بیٹا ہوں، میرا دل اور ظرف بہت بڑا ہے، کوئی کرے نہ کرے، میں شادی کروں گا اس سے، دل کی پوری رضامندی کے ساتھ۔"

کوئی بم تھا جو اس نے وہاں پھوڑا تھا، دونوں سردار ہکا بکا اس کا منہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

http://kitaabghar.com

''تم ہوش میں تو ہو زارون؟''

''ہوش میں ہوں، اسی لیے یہ بات کر رہا ہوں بابا..... وہ اس حویلی کی بیٹی ہے، ہماری عزت ہے۔ آج جو لوگ ہم پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں، کل اس شادی کے بعد منہ چھپاتے پھریں گے۔ اس حویلی میں، میں مزید کوئی نئی قبر نہیں دیکھنا چاہتا بابا..... مجھے وہ قبول ہے کیونکہ میں بچپن سے سچے دل کے ساتھ اسے پسند کرتا ہوں، میں مریم چچی کو بے موت مرتے نہیں دیکھ سکتا پلیز۔'' اپنی پلاننگ کے عین مطابق اس نے ترپ کا آخری پتا پھینک دیا تھا۔ مرادن خانے میں خاموشی چھا گئی تھی، گہرے سناٹے میں لپٹی خوف ناک خاموشی۔

❁ ❁

ناول **وہ جو عشق تھا** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **5** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

منعم ملک کا بہت خوبصورت نیا ناول

نمکین پانیوں کا سفر

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

گل ارباب کا بہت خوبصورت نیا ناول

عشق جادوانی

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

قسط نمبر 2

دل جل رہا تھا غم سے مگر نغمہ گر رہا
جب تک رہا میں ساتھ، مرے یہ ہنر رہا
صبح سفر کی رات تھی، تارے تھے اور ہوا
سایہ سا ایک دیر تلک بام پر رہا

جھیل کی اداسی پر
بے دلی کی دلدل پر
بے خبر سے منظر میں
درد کے سمندر میں
ایک یاد باقی ہے
آنکھ میں خزاں رت ہے
گرد اتری رہتی ہے
پھر بھی ایک کونے میں
اک گلاب باقی ہے
ایک یاد باقی ہے

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com
facebook.com/kitaabghar.com

مردان خانے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ آج تک اس حویلی میں جو نہیں ہوا تھا، وہ ہو گیا تھا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ سردار عبدالرحیم ایک طرف بیٹے کے جرأت مندانہ قدم پر مسرور تھے تو دوسری طرف ان کو علاقے کے معززین کی بھی فکر تھی۔ لوگ اس نکاح کے بعد ان کے لیے کیسا رویہ رکھتے؟ اس علاقے میں آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی بھاگی ہوئی لڑکی کو کسی نے قبول کیا ہو یا اسے امان دی ہو..... اگر وہ یہ کام کرتے تو یقیناً لوگ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ عجیب پیچیدہ سا معاملہ ہو گیا تھا۔ ایک طرف جان سے پیارا بیٹا تھا تو دوسری طرف صدیوں سے چلی آ رہی قدیم روایات جن میں کسی تبدیلی یا نرمی کی گنجائش نہیں تھی۔

سردار عبداللطیف اٹھ کر چلے گئے تھے۔ شاید انہیں زارون کا فیصلہ پسند نہیں آیا تھا مگر سردار عبدالرحیم پریشان بیٹھے تھے۔ ان کا دل دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں..... تب ہی زارون ان کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں بابا سائیں..... آپ کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ محراب کو عزت دینے کا مطلب علاقے میں اپنے لیے بغاوت کو جنم دینا ہے، اپنی ساکھ خراب کرنا ہے، اسی لیے بہت سوچ و بچار کے بعد میں نے ایک الگ راہ نکالی ہے، ایک ایسی راہ جس میں سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

اس کا دماغ ایسے موقعوں پر بہت چلتا تھا۔ سردار عبدالرحیم نے نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"کیسی راہ؟"

"میں اب ایبروڈ نہیں جاؤں گا بابا..... میری تعلیم سے زیادہ یہ مسئلہ میرے لیے اہم ہے۔ محراب کو ذہنی طور پر نئے رشتے میں بندھنے کے لیے ابھی وقت کی ضرورت ہے اور مجھے بھی..... لہٰذا میں نے سوچا ہے کہ میں شہر میں کوئی اچھی جگہ دیکھ کر وہاں گھر تعمیر کرواتا ہوں..... جب تک وہ مکمل ہو گا، ہم یہاں نکاح کی رسم کر کے، محراب اور مریم چچی کو شہر شفٹ کر دیں گے۔

اسی نکاح کے ساتھ ہم عباد کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ کر اس کی شادی طے کر دیں گے۔

علاقے کے لوگوں کے لیے یہ شادی محراب سے ان کی توجہ ہٹانے کا بہانہ ہوگی۔ بعد میں جب لوگ اس مسئلے کو بھول جائیں گے۔ مریم چچی اور محراب پھر سے حویلی کا حصہ بن جائیں گی۔'' اس نے سب کچھ پہلے ہی پلان کر کے رکھا تھا۔ سردار عبدالرحیم نے پرسوچ انداز میں آہستہ سے سر ہلایا تھا۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی میں نئی تاریخ رقم ہو رہی تھی۔ جس نے بھی سنا، زارون محراب عبدالکریم سے شادی کر رہا ہے، اس نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ بھلا زارون عبدالرحیم کو لڑکیوں کی کمی تھی جو اس نے ایک بھاگی اور دھتکاری ہوئی طلاق یافتہ لڑکی کو اپنے لیے چن لیا۔ مریم بیگم پر تو مانو غشی کی کیفیت طاری تھی۔ ان کی بیٹی آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔ ادھر محراب بے حال تھی۔

''امی! مجھے زارون سے شادی نہیں کرنی، اس سے بہتر ہے مجھے بھی نایاب کی طرح شب کے اندھیرے میں بے دردی سے مار دیا جائے۔'' جس وقت اسے نکاح کے لیے تیار کیا جا رہا تھا، اس نے مریم بیگم کے ہاتھ پکڑ کر ان سے کہا تھا۔ جواب میں انہوں نے رکھ کر ایک تھپڑ اس کے بھیگے ہوئے گال پر جڑا تھا۔

''پاگل ہوئی ہو؟ منع کیا تھا تمہیں مدرسے مت جاؤ..... مگر تم نے اپنی مرضی کی، نتیجہ دیکھ لیا ناں اس کا، اب بھگتو، مگر خدا کا واسطہ ہے تمہیں میری تربیت کا مزید تماشا مت بناؤ۔'' وہ خود اندر سے چور چور تھیں۔ بیگم عبدالرحیم جو پاس ہی کھڑی تھیں ان کے شکستہ لہجے پر آگے بڑھیں۔

''کیسی لڑکی ہو تم محراب عبدالکریم..... میرے بیٹے نے سالوں پرانی حویلی کی روایت توڑ کر تمہیں موت کے منہ سے نکال لیا اور تم ہو کہ ابھی بھی اپنی ضد پر اڑی ہو، کیا چاہتی ہو تم؟ اس حویلی میں کوئی سکون کا سانس نہ لے۔'' وہ شکوہ کناں تھیں۔ محراب کے لبوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ بولی تو اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ سی چبھن تھی۔

''مجھے اس حال میں پہنچانے والا خود آپ کا بیٹا ہے بڑی امی..... نایاب کی بے قصور موت کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔''

''سن رہی ہو مریم تمہاری بیٹی کیا کہہ رہی ہے، حویلی کے سرداروں تک اگر یہ بات پہنچ گئی تو

قیامت آجائے گی۔"

"آجائے قیامت..... مجھے اب کسی قیامت کا ڈر نہیں، مگر میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ آپ کے بیٹے نے میری زندگی برباد کی ہے، بے گناہ ہوتے ہوئے بھی اس نے مجھے سب کی نظروں میں گناہ گار بنا دیا..... کبھی بخشا نہیں جائے گا بڑی امی، میری اور نایاب کی بددعائیں کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔"

"بس..... بہت ہو گیا، زبان بند کر لو لڑکی..... نہیں تو چیل کوے تمہاری بوٹیاں نوچ کھائیں گے۔" مارے غیض وغضب کے بیگم عبدالرحیم کا وجود کانپنے لگا تھا۔ تب ہی ان کی بڑی بہو آگے بڑھی تھی۔

"آپ یہاں سے چلیں امی..... یہ لڑکی اس قابل ہے ہی نہیں کہ اس پر کوئی احسان کیا جائے۔"

"صحیح کہا..... ذرا سی شرم بھی ہوتی اس کے اندر تو زارون بھائی پر اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے سو بار سوچتی، جو شخص سمندر پار بیٹھا تھا اپنے گناہ کو اسی کے سر پر تھوپ رہی ہے یہ، اور اسے دیکھو پھر بھی اس کی زندگی بچانے کے لیے حویلی میں سب سے لڑتا پھر رہا ہے۔" چھوٹی بہو کیوں پیچھے رہتی۔ مریم بیگم نے ایک کڑی نگاہ اس کے جھکے سر پر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ان کے پیچھے ہی بیگم عبدالرحیم اور ان کی دونوں بہوویں بھی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

بات دبا لی گئی تھی ورنہ کچھ بعید نہیں تھا کہ حویلی واقعی طوفانوں کی زد میں آجاتی۔ اسی شام مردان خانے میں علاقے کے مولوی صاحب کو بلا کر خاموشی سے زارون کا نکاح محراب عبدالکریم کے ساتھ پڑھا دیا گیا تھا۔ سردار عبدالرحیم اور ان کے بڑے دونوں بیٹوں کی کوشش تھی کہ فی الحال علاقے میں یہ بات کسی کو پتا نہ چلے، اسی مقصد کے لیے انہوں نے مولوی صاحب کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ یہ راز ابھی راز ہی رکھیں۔

سردار عبداللطیف البتہ اس نکاح سے کچھ خاص خوش نہیں تھے۔ عباد پچھلے تین روز سے حویلی سے غائب تھا۔ محراب عبدالکریم کی بے وفائی کے باوجود اسے اپنی آنکھوں کے سامنے گولی کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

اس رات پورے تین دن حویلی سے غائب رہنے کے بعد وہ حویلی واپس لوٹا تھا۔ رات کے بارہ بجے تھے مگر زینب بیگم جاگ رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کر رہا تھا، جب وہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

''ارے امی جان! آپ.....ابھی تک جاگ رہی ہیں؟'' ماں کو سامنے دیکھ کر وہ فوراً اٹھا تھا۔ زینب بیگم اثبات میں سر ہلاتی اس کے بیڈ کے کونے پر ٹک گئیں۔

''زارون اور محراب کا نکاح ہوا ہے ابھی.....کل صبح دونوں شہر چلے جائیں گے۔'' زینب بیگم کو خبر ہوتی کہ ان کی اطلاع ان کے لاڈلے اکلوتے بیٹے پر کیسی بجلی بن کر گرے گی تو شاید وہ کبھی اسے یہ بات نہ بتاتیں۔ عباد کو لگا جیسے ایک ہی پل میں کسی نے اس کا وجود بم سے اڑا دیا ہو.....اگلے چند لمحوں تک اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں امی؟'' اعصاب قدرے بحال ہوئے تو وہ بولنے کے قابل ہوا۔ زینب بیگم اس کے احساسات سے بے خبر سر جھکائے کہہ رہی تھیں۔

''تمہاری حیرانی بجا ہے میرے بچے.....آج سے پہلے کبھی ایسا ہوا جو نہیں، مگر زارون نے ایسا کر دکھایا، سب سے لڑا ہے وہ محراب کے لیے، اور محراب کو دیکھو، بجائے اس کا احسان ماننے کے، وہ اپنے اغوا کا الزام اسی کے سر پر تھوپ رہی ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مردوں تک یہ بات نہیں پہنچی، ورنہ شاید حویلی میں قیامت ہی آ جاتی۔''

وہ سادہ دل خاتون تھیں، اپنی سادگی میں جو مناسب لگا سب بتاتی گئیں۔ عباد کو لگا جیسے اس کا سانس سینے میں اٹک گیا ہو۔ اسے یاد آیا، محراب نے اسے بتایا تھا کہ نایاب کی ناگہانی موت زارون کی چال تھی.....اس نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اسے پریشان کرتا ہے، وہ اس سے خوف زدہ اور ہراساں تھی۔ اس نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ بچپن سے زارون کی اس پر نظر تھی، صرف اسے پانے کے لیے اس نے نایاب کو راستے سے ہٹایا تھا تو عباد کو راستے سے ہٹانا کیا مشکل تھا۔ اس نے محراب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ زارون کا بندوبست کرے گا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ اس سے پہلے ہی وہ اپنی چال چل

گیا تھا۔ زینب بیگم اس کی حالت سے بے خبر اور بھی جانے کیا کیا کہتی رہیں، مگر وہ کچھ سن ہی کہاں رہا تھا، اس کا دماغ تو جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔

''اچھا بیٹا.....اب تم آرام کرو، میں بھی عجیب ہوں، بجائے روٹی پانی کا پوچھنے کے، اور ہی قصہ لے بیٹھی۔'' اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ عباد نے بہ مشکل خود کو سنبھالا۔

''نہیں امی.....میں کھانا کھا کر آیا ہوں، ابھی بس آرام کروں گا۔''

اندر جھکڑ چل رہے تھے مگر اس نے خود پر ضبط کر رکھا تھا۔ زینب بیگم اسے دعائیں دیتی چلی گئیں تو اس نے کمرہ لاک کر لیا تھا۔ دل کی حالت ایسی تھی گویا پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

کتنا کمزور اور بزدل ثابت ہوا تھا وہ کہ ایک لڑکی کو، جس کا کردار پہلے روز سے اس پر واضح تھا، وہ سخت مشکل میں اکیلا چھوڑ کر خود ایک طرف ہو گیا تھا۔ کیسی بودی محبت تھی اس کی کہ اس نے اپنی محبت کا یقین کرنے کے بجائے اجنبی لوگوں کا یقین کیا اور زارون نے اسی سے فائدہ اٹھا لیا، ایک ذرا سی چال سے اس نے ہر وہ راستہ بند کر دیا جس سے وہ محراب تک پہنچ سکتا تھا، جس سے محراب تک اس کی رسائی ممکن ہو سکتی تھی، کتنا شاطر نکلا تھا وہ اور کتنا بڑا بے وقوف ثابت کیا تھا اس نے عباد لطیف کو.....کاش وہ اس کی طرف سے غافل نہ رہتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ وہ یوں چھپ کر وار نہ کرتا۔

اس وقت کمرے کی کوئی بھی قیمتی چیز اس کے غصے سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی، اس کا بس نہیں چلتا تھا وہ پوری حویلی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے، کیا سوچتی ہو گی محراب اس کے بارے میں، بس یہی تھی اس کی مردانگی؟

اس کی محبت؟

اس کا اعتبار؟

ایک بار بھی اس نے اسے خبر نہیں ہونے دی کہ وہ اس پر شک کرنے لگا ہے، اس کے دل میں اس کے لیے بال آ رہا ہے۔ قطعی بے خبر رکھ کر اس نے اسے بیچ منجدھار میں اکیلا ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ کتنا بڑا نقصان کر دیا تھا اس نے اس کا، ایسا نقصان جس کا ازالہ وہ جان دے کر بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔

کبھی غم کی آگ میں جل اٹھے
کبھی داغِ دل نے جلا دیا
اے جنونِ عشق بتا ذرا
مجھے کیوں تماشا بنا دیا
غم عشق کتنا عجیب ہے
یہ جنوں سے کتنا قریب ہے
کبھی اشک پلکوں پہ رک گئے
کبھی سارا دریا بہا دیا
اے جنونِ عشق بتا ذرا
مجھے کیوں تماشا بنا دیا
جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم
جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم
تجھے یادگار بنا دیا

☆.....☆.....☆

اگلی صبح رات ہوئے فیصلے کے عین مطابق زارون محراب کو لے کر شہر نکل گیا تھا۔ مریم بیگم نے بیٹی کو یوں رخصت کیا جیسے کسی جنازے کو آخری بار گھر سے وداع کرتے ہیں۔ عباد جورات سے جاگ رہا تھا، حویلی سے زارون کے نکلتے ہی خود بھی بنا کسی کو مطلع کیے گاڑی لے کر اس کے پیچھے ہی حویلی سے نکل گیا۔ زینب بیگم سے اسے پتا چلا تھا کہ فی الحال زارون نے شہر میں کرائے پر کوٹھی لے کر وہیں محراب کی رہائش کا بندوبست کیا تھا۔ اس کا ارادہ مریم بیگم کو بھی ساتھ لے جانے کا تھا مگر ان کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ شہر جا کر رہ سکتیں۔

وہ زارون کا ٹھکانا دیکھنا چاہتا تھا تاکہ اس سے اپنی شکست کا بدلہ لے سکے اور اپنے اس مقصد کے لیے اس نے حویلی سے شہر تک زارون اور محراب کی گاڑی کا پیچھا کیا تھا۔ شہر کے قدرے پوش ایریا میں، کشادہ سڑک پر ایک نہایت دیدہ زیب بنگلے کے سامنے ان کی گاڑیاں رکی تھیں۔ عباد کی گاڑی قدرے فاصلے پر نگاہوں سے اوجھل ہی رہی۔ اس نے دیکھا نارنجی لباس میں ملبوس محراب عبدالکریم گاڑی سے یوں اتری جیسے کوئی زندہ لاش ہو۔ پہلو میں تیزی سے دھڑکتا دل گویا کٹ کر رہ گیا تھا۔ قدرے فاصلے سے بھی وہ دیکھ سکتا تھا کہ زارون کی آنکھوں میں کتنی چمک تھی۔

اپنی جیت کی چمک.....!

اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی چمک!

وہ فاتح تھا اور اس نے کسی فاتح کی طرح ہی محراب عبدالکریم کا ہاتھ تھام کر اسے بنگلے کی طرف دھکیلا تھا۔

''تمہارا سوگ ختم نہیں ہوا ابھی تک؟'' بنگلے کی طرف قدم بڑھاتے اس نے ایک تیکھی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ خاموش رہی تھی۔

''تمہارے لیے بہتر یہی ہے محراب عبدالکریم کہ تم اس حقیقت کو قبول کر لو..... ورنہ مجھے تو جانتی ہی ہو تم، بڑے ٹیڑھے دماغ کا انسان ہوں، زندگی اتنی مشکل بنا دوں گا کہ سانس لینے کو بھی ترسو گی تم۔''

وہ اس کی جامد چپ سے خائف ہو رہا تھا۔ محراب کے لبوں پہ بڑی مجروح سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تمہیں اب بھی یہ لگتا ہے کہ میں سانس لینے کو ترسوں گی؟'' نم آنکھوں کے ساتھ اس کی زخمی مسکراہٹ نے زارون کو تپا کر رکھ دیا تھا۔

''گویا تم چاہتی ہو کہ زندگی کو ابھی تم پر مزید تنگ کیا جائے۔''

''کر کے دیکھ لو..... سوائے جسم کے کچھ حاصل نہ کر پاؤ گے۔''

''چلو یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کیا حاصل ہوتا ہے کیا نہیں؟'' وہ کہاں ہار ماننے والا تھا۔ اپنی گاڑی میں ان دونوں کو ساتھ ساتھ چلتے دیکھ کر عباد نے اسٹیرنگ پر زوردار مکا مارا تھا۔

وہاں سے حویلی واپسی پر اس کا غصہ گویا آسمان کو چھو رہا تھا۔

مردان خانے میں اس وقت سردار عبدالرحیم اور ان کے دونوں بڑے بیٹے موجود تھے۔ حویلی کے پچھواڑے میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد، تیز تیز چلتا وہ سیدھا وہیں پہنچا، سردار عبدالرحیم اسے اس وقت شدید غصے میں دیکھ کر پوچھے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

''کیا بات ہے برخوردار بہت غصے میں لگ رہے ہو؟''

''جی ہاں! میں واقعی اس وقت بہت غصے میں ہوں، کیونکہ مجھے حویلی میں اپنی اور آپ کے بیٹوں کی حیثیت کا پتا چل گیا ہے، مگر آپ کو کیا، آپ کے سامنے نہ میری کوئی اوقات ہے نہ میرے باپ کی۔'' اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے لیٹے سردار عبداللطیف خود کو وہاں آنے سے نہ روک سکے۔

سردار عبدالرحیم کے بڑے بیٹے سردار ہارون کو اس کی یہ گستاخی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ وہ اس پر بگڑتے ہوئے بولا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو عباد، بابا سائیں کے سامنے آج تک کسی نے ایسے لب و لہجے میں بات کرنے کی جرأت نہیں کی۔''

''نہیں کی ہوگی مگر..... میں کسی نہیں ہوں، اس حویلی کے چھوٹے سردار کا اکلوتا بیٹا ہوں، یہاں جو حیثیت آپ کی اور آپ کے باپ کی ہے، وہی میری اور میرے باپ کی بھی ہے۔'' سردار عبداللطیف نے اپنے بیٹے کو آج سے پہلے اتنا مشتعل اور گستاخ کبھی نہیں دیکھا تھا تب ہی وہ اس کے قریب آئے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا..... کوئی شکوہ ہے تو کھل کر بیان کرو، یوں غصہ دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''جانتا ہوں بابا سائیں..... اسی لیے آج تک چپ رہا مگر..... اب نہیں رہوں گا۔''

''کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو، کیا حق تلفی کی ہے ہم نے تمہاری؟'' سردار عبدالرحیم کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوئی تھیں مگر اس نے مطلق پروانہ کی، اندر آگ ہی ایسی لگی ہوئی تھی۔

''حق تلفی؟ ظلم کیا ہے آپ نے، صرف اپنے بیٹے کے الزام پر بنا کوئی تحقیق کیے آپ نے اپنے

مرحوم بھائی کی بے گناہ بیٹی کو موت کی نیند سلا دیا..... جبکہ میں گواہی دیتا ہوں اس کا کردار شفاف تھا، مگر آپ نے اس کا یقین نہیں کیا اور اسے موت کی سزا سنا دی۔ چلو ٹھیک ہے اپنی طرف سے آپ نے جو ٹھیک سمجھا وہ کیا مگر..... مجھے اطلاع نہیں دی، میرا یہاں ہونا کسی نے ضروری نہیں سمجھا، اس حویلی کی ایک عورت جھوٹے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دی گئی مگر مجھے اس کی خبر تک دینا کسی نے گوارا نہیں کیا، مشورہ لینا تو دور کی بات ہے۔'' اندر کی آگ لفظوں کی صورت باہر نکل رہی تھی۔ سردار عبدالرحیم کی آنکھوں کی سرخی اور غضب مزید بڑھ گیا۔ وہ بولے تو ان کے لہجے میں انگاروں سی تپش تھی۔

''کس نے کہا وہ بے گناہ تھی..... حویلی کی روایت کے خلاف شہر کے کالج میں پڑھ رہی تھی وہ اور اسی کالج کے لڑکے کو اس حویلی کے ایک ایک مکین نے خود اپنی آنکھوں سے آدھی رات میں اس کے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تھا، اس سے بڑھ کر بے حیائی کی کوئی بات ہو سکتی ہے اور رہی بات تمہیں مطلع کرنے کی تو تم ہم سے اوپر نہیں ہو برخوردار..... ہمارے فیصلوں کو چیلنج نہیں کر سکتے تم۔''

''جی ہاں..... بالکل صحیح فرمایا آپ نے، میری کیا اوقات ہے کہ میں آپ کے فیصلوں کو چیلنج کروں، یہ حق تو آپ نے صرف اپنے بیٹوں کو دیا ہوا ہے، تب ہی آپ کے سپوت زارون عبدالرحیم نے وہ کر دکھایا جو میں یہاں اپنی موجودگی میں نہیں کر سکا، سمندر پار ہو کر بھی اس نے آپ کے فیصلے کو چیلنج کر دیا۔ آپ کی بھاگی ہوئی بھتیجی کی موت کی سزا شادی میں بدل دی اور کمال یہ کیا کہ آپ میں سے کسی نے بھی اس پر سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس جیسے خود پسند انسان نے اتنی رحم دلی کیوں دکھائی کہ ایک بہن کو خود بے گناہ مروا کر دوسری کو موت کے منہ سے بچا لیا..... نہ صرف موت کے منہ سے بچا لیا بلکہ اسے اپنا نام بھی دے دیا۔''

''تمہیں کس بات کا ملال ہے نایاب کی موت یا اس کی بہن کے زندہ بچ جانے کا؟'' سردار عبدالرحیم کا غصہ کم نہیں ہوا۔ عباد انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''اپنی اور اپنے باپ کی حیثیت دو کوڑی ہونے کا ملال ہے مجھے۔ میں حویلی سے باہر تھا۔ میری موجودگی کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے آپ نے میری بہن کو موت کی سزا سنا دی، اس پر عمل بھی کر لیا..... مگر

آپ کا بیٹا جب حویلی سے باہر تھا تو آپ نے ایسا نہیں کیا، میرے بابا کی مخالفت کے باوجود آپ نے اپنے بیٹے کی بات کو اہمیت دی، اس سے مشورہ کیا، جبکہ یہ جال جس میں محراب عبدالکریم کو پھنسایا گیا کسی اور نے نہیں، خود آپ کے اپنے بیٹے نے ہی بچھایا تھا۔'' آج وہ کہاں کسی سے ڈرنے والا تھا۔ مردان خانے میں گویا آگ بھڑک اٹھی تھی۔

''زبان سنبھال کر بات کرو عباد..... شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم میرے بیٹے پر کتنا بڑا الزام لگا رہے ہو۔'' سردار عبدالرحیم شدید مشتعل ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے دونوں بیٹوں کے چہروں پر بھی برہمی صاف دیکھی جا سکتی تھی مگر عباد کو پروا نہیں تھی، اس کے اندر جیسے الاؤ دہک رہا تھا۔

''الزام نہیں ہے یہ..... حقیقت ہے۔ میں پچھلی پوری رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سویا۔ جب سے پتا چلا کہ آپ کے اعلیٰ ظرف بیٹے نے ایک بھاگی ہوئی لڑکی سے شادی کر لی تب سے ہی اپنے قریبی دوستوں کو اس معاملے کی تحقیق پر لگا دیا تھا اور یہ انہی کی محنت کا نتیجہ ہے جس سے مجھے نایاب اور محراب کی بے گناہی کے ساتھ آپ کے بیٹے کے گناہ گار ہونے کا ثبوت ملا۔ یہ دیکھیں، غور سے دیکھیں اس لڑکے کو، یہ وہی لڑکا ہے جسے اس حویلی کے ہر مکین نے اپنی آنکھوں سے نایاب عبدالکریم کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔ جاننا چاہیں گے آپ کہ آدھی رات کو گارڈز اور شکاری کتوں کی موجودگی میں، اس لڑکے کو حویلی میں بحفاظت داخل کرنے والا کون تھا۔ آپ کا بیٹا..... زارون عبد الکریم..... کیونکہ یہ لڑکا آپ کے بیٹے کا نہایت قریبی دوست ہے اور اسی کے کہنے پر یہ آدھی رات کو یہاں آیا وہ بھی اس صورت میں کہ نایاب بے خبری کی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس معصوم کو تو خبر بھی نہیں تھی کہ اسے بے موت مروانے کے لیے کیسا جال بچھایا جا رہا ہے۔''

اپنا موبائل نکال کر اسکرین پر ایک تصویر زوم کر کے اس نے وہ اسکرین فرداً فرداً سب کے سامنے کی تھی۔ مردان خانے میں ایک مرتبہ پھر موت کی سی گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

''یہی وہ شخص ہے جسے زارون نے محراب کے اغوا میں استعمال کیا..... میں خود مل چکا ہوں اس سے، محراب کے مدرسے میں زارون کی سفارش پر ملازمت حاصل کی اس نے، مقصد صرف محراب کے

لیے جال تیار کرنا تھا اور وہ خط جو محراب کے حوالے سے مجھ تک پہنچا وہ خط محراب نے نہیں بلکہ زارون کی دوست غزالہ نے محراب کی ہینڈ رائٹنگ کاپی کر کے خود لکھا تا کہ میں جذبات میں آ کر اسے چھوڑ دوں اور میں نے یہی کیا..... ڈفر جو تھا میں، ابھی کل رات پتا چلا یہ لڑکی غزالہ وہی لڑکی تھی جس کے ساتھ زارون کو رنگ رلیاں مناتے نایاب نے دیکھ لیا تھا اور اس نے زارون کو دھمکی دی تھی کہ وہ حویلی کے بڑوں کو اس کی غلط حرکتوں کے بارے میں بتائے گی مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آپ کے بیٹے نے کمال مہارت سے اپنے شاطر دماغ کا استعمال کرتے ہوئے اس سے پہلے ہی اس کی موت کا پلان بنالیا اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔'' ایک ایک ثبوت اس کے موبائل میں موجود تھا۔ مردان خانے میں اس وقت تمام نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''کیا منہ دکھائیں گے آپ لوگ روز محشر سردار عبدالکریم کو..... جن کی دونوں بیٹیوں کی زندگی آپ جیسے سرداروں کے ہاتھوں میں ایک کھیل بن کر رہ گئی۔'' وہ مشتعل بھی تھا اور دل برداشتہ بھی۔ سردار عبدالرحیم کا سر جھک گیا، ان کے دونوں بیٹوں کے چہروں پر بھی شرمندگی صاف دیکھی جا سکتی تھی مگر عبادو وہ دیکھنے کے لیے وہاں نہیں رکا..... وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا اور وہاں سے پسٹل لوڈ کر کے پھر سے گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ اب جب تک وہ زارون عبدالرحیم سے اپنی شکست کا بدلہ نہ لے لیتا سکون کا ایک لمحہ بھی اس پر حرام تھا۔

حویلی کی خواتین میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ مریم بیگم کے لبوں کو جیسے قفل لگ گیا تھا۔ ان کی پتھرائی آنکھوں سے آنسو بے دریغ بہے جا رہے تھے۔ ادھر حویلی کے حالات سے قطعی بے خبر زارون عبدالرحیم نئے بنگلے میں محراب کے سر پر سوار اسے تنبیہ کر رہا تھا۔

''اس بنگلے کو محض چار دیواری نہ سمجھنا ڈیئر محراب! یہ قید خانہ ہے تمہارے لیے، جس سے تم میری مرضی کے بغیر ایک قدم بھی باہر نہیں نکال سکتیں، سمجھ گئی ناں؟''

''ہوں..... اس جہنم سے باہر نکل کر مجھے اب جانا بھی کہاں ہے، میری دنیا تو کب کی ختم کر چکے ہو تم۔'' یاسیت سے کہتی وہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

''گڈ.....سمجھدار ہوگئی ہو۔'' فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اس نے منہ سے لگالی تھی۔ محراب نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

''چلو میں اب تھوڑا گروسری کا سامان لے آؤں تب تک تم چاہو تو آرام کر سکتی ہو۔'' خالی بوتل ایک طرف پھینکتے ہوئے اس نے اسے مطلع کیا پھر اس کے اثبات میں سر ہلانے پر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابھی وہ گاڑی اسٹارٹ ہی کر رہا تھا جب اس کے موبائل پر اس کے منجھلے بھائی کی کال آگئی تھی۔ گاڑی دھیمی رفتار پر ڈالتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! کہاں ہو تم؟''

''کیوں خیریت؟'' مقابل کے لہجے نے اس کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''نہیں.....خیریت ہی تو نہیں ہے۔''

''کیوں کیا ہوا ہے؟'' آپ ہی آپ اس کا پاؤں بریک پر جا پڑا تھا۔

گاڑی عین سڑک کے وسط میں رک گئی تھی۔

''یہ پوچھو کیا نہیں ہوا.....عباد نے تمہارے سارے پول کھول کر رکھ دیے ہیں۔ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر جو بھی تم نے نایاب اور محراب کے ساتھ کیا، سب کچھ ثبوت کے ساتھ وہ سب کے سامنے لے آیا ہے۔ بابا اور چچا فی الحال بہت غصے میں ہیں، خود عباد بھی پسٹل لے کر نکلا ہے، جتنی جلدی ہو سکتا ہے اپنے دوستوں کو آگے پیچھے کر دو، یہ نہ ہو کہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں اور تمہارے لیے کڑی مشکل کھڑی کر دیں.....خود بھی محتاط رہو، فی الحال حویلی آنے یا حویلی کے کسی بھی فرد سے رابطہ کرنے کی حماقت ہرگز مت کرنا۔''

وہ جو خود کو بہت بڑا کھلاڑی اور پلانر سمجھتا تھا، کائنات کے سب سے بڑے پلانر نے اس کے

سارے پلان فیل کر دیے تھے۔ اعصاب پر جیسے کوئی بھاری چیز آ کر گری تھی۔

''وہ تو اب تک بہت محتاط رہا تھا، پھر عباد کے ہاتھ اس کے خلاف کوئی ثبوت کیسے لگ گیا؟'' یہ سوال ہتھوڑا بن کر اس کے دماغ پر برس رہا تھا۔

کال ڈسکنکٹ ہو چکی تھی۔ اس نے فوراً غزالہ اور صائم (اپنے دوست) کو کال کر کے کچھ روز کے لیے ادھر ادھر ہو جانے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ محراب اس کی نظر میں فی الحال محفوظ تھی اس کے نزدیک عباد اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا تھا، تب ہی اس کی طرف سے بے فکر ہو کر اس نے گاڑی فل اسپیڈ کے ساتھ آگے بڑھا دی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ جس لڑکی کی وجہ سے اسے یہ سب پاپڑ بیل کر اپنے باپ کی نظروں سے گرنا پڑا تھا، وہ اب اسے ہرگز سستے میں چھوڑنے والا نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

زارون عبدالرحیم کے گھر سے نکلنے کے بعد محراب نے بنگلے کا جائزہ لیا، دو کنال پر پھیلا وہ خاصا خوب صورت بنگلہ تھا۔ گیٹ کے اس پار درخت اور سبزہ ہی سبزہ باہر سے اس کی قدر و قیمت بڑھا رہا تھا، تو اندر کی دنیا اس سے بھی خوب صورت تھی۔ گیٹ کے اس پار بے حد خوب صورت وسیع لان تھا جس میں زیادہ تر پھول پودے مختلف ممالک سے منگوا کر لگائے گئے تھے۔ لان کراس کر کے ذرا آگے بڑھنے پر وسیع ہال کا دروازہ تھا، اسی ہال میں ایک طرف کچن تھا تو دوسری طرف پر ڈائننگ ہال، ڈائننگ ہال کے ساتھ دیدہ زیب ٹی وی لاؤنج، ڈرائنگ روم اور تین بیڈ روم تھے۔ سامنے ایک چھوٹا سا اسٹڈی روم تھا جس میں آتش دان کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ تینوں بیڈ رومز کے درمیان سے ماربل کی قالین میں لپٹی سیڑھیاں اوپری منزل کو جاتی تھیں۔

سیکنڈ فلور پر دو بیڈ رومز، ایک وسیع ہال، کچن اور باتھ روم تھے۔ وہ گھر اتنا خوب صورت تعمیر کیا گیا تھا کہ محراب سراہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ ابھی وہ کچن اور اس میں موجود اشیاء کا جائزہ لے رہی تھی جب باہر گیٹ پر ہونے والی زوردار دستک نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہاں اس بنگلے میں زارون کے علاوہ اور کسی کا آنا ممکن ہی نہیں تھا تو پھر دستک کیوں ہوئی۔ زارون کے پاس تو لاک کی چابی تھی وہ جاتے

ہوئے خود گیٹ لاک کر کے گیا تھا تو پھر اب اسے دستک کی ضرورت کیوں آ پڑی تھی؟ اسی سوال سے الجھتی وہ گیٹ تک آئی تھی۔

''کون؟'' کسی انسان کے وہاں نہ آنے کے یقین کے باوجود اس نے بنا پوچھے دروازہ کھولنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ تاہم اس کے سوال کے جواب میں باہر سے جو نام سننے کو ملا تھا، اس نے اسے فریز کر دیا تھا۔

''عباد عبدالطیف..... دروازہ کھولو۔'' جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے لاک کھول دیا تھا۔

''آپ..... یہاں؟'' اس کو وہاں اپنے مقابل دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ عباد نے اثبات میں سر ہلا کر قدم گیٹ سے اندر رکھتے ہوئے گیٹ بند کر دیا تھا۔

''زارون کہاں ہے؟'' اس کا چہرہ سرخی مائل جبکہ تیور خطرناک تھے۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''یہاں نہیں ہے۔''

''تو پھر؟''

''میں نہیں جانتی..... نہ ہی اس کا اور میرا ایسا تعلق ہے کہ وہ مجھے بتا کر جائے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔

عباد نے لب بھینچ لیے۔

''ٹھیک ہے..... چلو میرے ساتھ۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اسے رد کرنے کے بعد اب وہ شخص کس حق سے اسے اپنے ساتھ لے جانے آیا تھا؟ یہی سوچ کر اسے غصہ آ گیا تھا، تب ہی وہ بولی۔

''دماغ ٹھیک ہے آپ کا..... مجھے اپنے ساتھ کہیں بھی لے جانے کا حق کھو چکے ہیں آپ۔''

''جانتا ہوں مگر اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ حویلی کے مکین تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ محراب کے لبوں پر تمسخرانہ مسکان بکھر گئی۔

''کون سی حویلی.....اس حویلی کی بات کر رہے ہیں آپ جس کی سرخ اینٹوں میں میری بہن سمیت جانے کتنی معصوم بیٹیوں کا خون بہا ہے.....میں اس حویلی کو اپنی زندگی میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں عباد عبدالطیف.....میرا اب اس حویلی یا وہاں کے کسی مکین کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔آپ جائیں یہاں سے۔''

''پاگل مت بنو محراب! تمہاری ماں زندہ ہے۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا، انہیں جس حال میں چھوڑ کر آئی ہوں، ویسا حال زندہ لوگوں کا نہیں ہوتا۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا.....تم اس شخص کے ساتھ رہنا چاہتی ہو جو تمہاری عزت اور تمہاری بہن کا قاتل ہے۔'' عباد کا پارہ ہائی ہوا تھا۔محراب نے آہستہ سے اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑائی تھی۔

''میں اس شخص کے ساتھ جانے سے انکار کر رہی ہوں جو میری محبت اور دل کا قاتل ہے۔''

''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے محراب.....اسی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کی غلطی نے میری زندگی برباد کر دی، میرے زندہ جاوید دھڑکتے دل کو مقبرے میں بدل دیا، دل مقبرے بن جائیں تو پھر ان کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا۔''

''تم جذباتی ہو رہی ہو محراب.....میں نے ساری حویلی میں تمہاری اور نایاب کی پارسائی ثابت کر دی ہے۔میرے بابا اور بڑے تایا دونوں شرمندہ ہیں۔زارون عبدالرحیم کی اب اس حویلی میں کوئی جگہ نہیں رہی، تم چلو میرے ساتھ، میں خود تمہاری اس سے طلاق دلوا کر پھر سے اپنے نکاح میں لوں گا، میرا یقین کرو پلیز.....''

''یقین ہی تو کیا تھا تب ہی تو منہ کے بل گرا دیا گیا مجھے.....اچھی طرح میرے کردار سے واقف ہونے کے باوجود صرف چند لمحوں میں آپ نے اپنی زندگی سے مکھن میں بال کی طرح نکال پھینکا۔بے رحم موت مرنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا، آپ کو کیا لگتا ہے میں پھر وہی غلطی دہراؤں گی۔نہیں عباد، میرے اندر اب اور مسمار ہونے کی ہمت نہیں ہے، خدا کا واسطہ ہے آپ کو مجھے میرے حال پر چھوڑ

دیں۔'' یہ محراب وہ محراب نہیں تھی جسے اس نے اپنی زندگی میں بھرپور چاہت کے ساتھ شامل کیا اور پھر ایک چھوٹی سی بدگمانی پر چپ چاپ بنا کسی بات کی تحقیق کیے اسے اپنی زندگی سے نکال بھی دیا تھا۔ یہ تو کوئی اور محراب تھی۔ روٹھی ہوئی، زندگی سے خفا اور بے حد مضبوط محراب۔

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''کیا اب تمہارے اندر میرے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش سر نہیں اٹھاتی؟''

''نہیں.....''

''ایسا مت کہو محراب..... میں مانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ ظلم کیا مگر..... اس کی اتنی بڑی سزا مت دو کہ میں زندگی کو ترستا رہوں۔'' اونچا لمبا بے حد خوب صورت وہ مرد اس کے سامنے بے بس ہوا تھا۔ محراب نے لب بھینچ کر اپنے آنسو اپنے اندر اتار لیے تھے۔

''میری اتنی اوقات نہیں ہے کہ میں کسی کو کوئی سزا دے سکوں، بس اتنی سی التجا ہے حویلی والوں کے ساتھ ساتھ آپ بھی مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ اپنے لیے میں مر چکی ہوں، آپ لوگ بھی مردہ سمجھ کر بھول جائیں۔''

''میرے بس میں نہیں ہے یہ۔'' فوراً سے پیشتر اس نے کہا تھا۔ محراب نے رخ پھیر لیا تھا۔

''میری مشکلات مت بڑھائیں عباد..... خدا کا واسطہ ہے آپ کو۔''

''میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا محراب..... کسی قیمت پر بھی نہیں۔''

''آپ مجھے کھو چکے ہیں عباد..... اب گڑھے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے، جیسا تم کہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تم سے دستبردار ہو رہا ہوں، جس طرح زارون نے گھٹیا چال چل کر تمہیں مجھ سے الگ کیا ہے میں بھی اسی طرح تمہیں اس سے الگ کر کے پھر سے اپنی زندگی کا حصہ بناؤں گا، یاد رکھنا تم۔''

''بس کر دیں آپ..... خدا کا واسطہ ہے آپ کو، مجھے فٹ بال کیوں سمجھ لیا ہے آپ نے، کیا میرے کوئی جذبات اور احساسات نہیں، میں انسان نہیں ہوں۔'' وہ چلائی تھی۔ عباد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''جائیں آپ یہاں سے اور دوبارہ زندگی میں کبھی پلٹ کر مجھے اپنی شکل مت دکھایئے گا۔''
کسی بارود کی طرح وہ پھٹ پڑی تھی۔عباد نے لب بھینچ لیے تھے۔
''ٹھیک ہے.....مگر یہ جنگ ابھی یہیں ختم نہیں ہوئی ہے محراب.....جب تک زارون عبد الرحیم زندہ ہے، سمجھ لینا سکون کی نیند حرام ہے مجھ پر۔''
''آپ کا مسئلہ ہے یہ.....میرا اس سب سے کوئی لینا دینا نہیں۔''
جتنا بے رحم وہ اپنے لب و لہجے کو کر سکتی تھی، اس نے کر لیا تھا۔عباد ایک پر شکوہ نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد وہاں سے نکل گیا تھا۔محراب نے اس کے گیٹ سے نکلتے ہی لاک لگایا اور پھر وہیں زمین پر بیٹھ گئی تھی۔آنسوؤں کا سیلاب تھا کہ امڈا امڈ پڑ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

شب کے بارہ بج رہے تھے مگر ابھی تک زارون کی گھر واپسی کا کوئی امکان نہیں تھا۔اجنبی علاقے کے اجنبی گھر میں دن تو اس نے جیسے تیسے گزار لیا تھا مگر شام اور شام کے بعد رات گزارنے کا خوف اس کی ہڈیوں کا خون خشک کر رہا تھا۔زارون سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ پوری رات گھر نہ آتا۔ اسے ستانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔بنگلے کی لائٹیں آن تھیں مگر اس کے باوجود اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔زندگی میں پہلی بار وہ بالکل اکیلی کسی اجنبی جگہ پر چپ چاپ رو رہی تھی۔
صبح سے پانی کی ایک بوند بھی اس کے اندر نہیں گئی تھی۔پچھلے تین روز سے ویسے ہی اس نے برائے نام کھانا کھایا تھا۔اب تو بھوک کی وجہ سے باقاعدہ چکر آنے لگے تھے۔کیسی عجیب بے بسی تھی کہ بے گناہ ہونے کے باوجود وہ اذیت ناک سزا کاٹنے پر مجبور تھی۔خوف اور بھوک کے غلبے نے اس کی نیند بھی اڑا دی تھی۔گزرتا ایک ایک لمحہ اس کے لیے صدیوں پہ بھاری تھا۔تب ہی ٹھیک ساڑھے بارہ بجے وہ واپس لوٹا تھا۔
ڈھیر سارے شاپنگ بیگز کے ساتھ تھکا تھکا سا وہ قدرے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔محراب سرسری نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد ٹھس سی وہیں بیٹھی رہی تھی۔تب ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''

''نہیں.....'' وہ رکھائی سے بولی۔ زارون کے چہرے پر اُمڈ آنے والی ناگواری صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

''کیوں سارا دن پیچھے کیا ہل چلاتی رہی ہو؟''

''یہی سمجھ لو۔''

''تو ٹھیک ہے پھر مجھ سے بھی کسی فیور کی توقع مت رکھنا۔''

''پاگل نہیں ہوں میں جو تم سے کسی فیور کی توقع رکھوں گی۔'' وہ جلی بیٹھی تھی۔ زارون گھور کر رہ گیا۔

''چلو اچھی بات ہے..... میرا کیا ہے، میں تو باہر سے کچھ نہ کچھ کھا پی کے آجاؤں گا۔ تم مرنا دن رات اس بنگلے میں بھوکی۔''

''مرنا ہی تو چاہتی ہوں..... تمہارے جیسے جانور کے ساتھ ذلت آمیز زندگی گزارنے سے ہزار درجے بہتر ہے کہ میں بھوکی مر جاؤں۔'' وہ کہاں ادھار رکھنے والی تھی۔

زارون کے تلوؤں پر لگی، سر پر بجھی۔

''اسی زبان درازی کا نتیجہ ہے جو آج بھگت رہی ہو مگر..... مجال ہے جو باز آجاؤ۔ پتا بھی ہے کتنا ٹیڑھا بندہ ہوں میں۔''

''تم اب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے زارون عبدالرحیم..... جتنا برا کر سکتے تھے کر چکے ہو، اب میں نہیں ڈرتی تم سے۔''

''اچھا.....؟'' اس کی بے خوف سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ قریب چلا آیا تھا۔

''تو میں اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے ناں؟'' کچھ تھا اس کی آنکھوں میں جس نے ایک پل کے لیے محراب کو سہما دیا تھا۔ اگلے ہی پل اس کی چمکتی نگاہوں سے خوف کھاتی وہ رخ پھیر چکی تھی۔ مگر زارون نے دائیں ہاتھ سے اس کا جبڑا دبوچ کر اس کا رخ پھر اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

''تمہاری وجہ سے..... صرف تمہاری وجہ سے مجھے تمہاری بہن اور اپنی سگی چچازاد کو موت کے منہ

میں دھکیلنا پڑا، اپنے باپ، بھائی اور چچا کی نظروں سے گرنا پڑا۔ کیسی کیسی پلاننگ نہیں کی صرف تمہیں پانے کے لیے اور تم ہو کہ ابھی بھی آنکھیں دکھا رہی ہو۔ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی عقل ٹھکانے نہیں آئی تمہاری؟"

دائیں ہاتھ سے اس کا جبڑا دبوچے اس نے اپنا منہ عین اس کے منہ کے قریب کیا تھا۔ محراب کی سانس الجھنے لگی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں چاہے کچھ بھی ہو جائے تم گولی کا نشانہ نہیں بنو گی اور دیکھو میں نے اپنا وعدہ وفا کیا اب میں کہہ رہا ہوں تم میرے سوا دنیا میں کسی دوسرے مرد کی نہیں ہو سکو گی، یہ وعدہ وفا کرنے کا وقت بھی آ چکا ہے۔" اپنا منہ اس کے کان میں گھسائے تقریباً سرگوشی میں اس نے اسے مطلع کیا تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"چھوڑو مجھے....." مگر وہ کہاں اس کی خواہش کا احترام کرنے والا تھا۔ اسے تو اپنی بات پوری کرنی تھی۔ اندر کی فرسٹریشن نکالنی تھی تب ہی اس کے آہنی وجود کے سامنے وہ ریت کی دیوار بنی مسمار ہوتی گئی۔

تقریباً رات دو بجے کے قریب اس نے اپنے بستر پر اسے سسکتا چھوڑ دیا تھا۔

محراب کو لگا جیسے نایاب کی طرح اس کی بھی موت ہو گئی ہو۔ وہ شخص اس کے تصور سے بھی زیادہ بے حس اور سفاک تھا۔

اس وقت بھی جب وہ اس کے دیے گئے زخموں پر سسک رہی تھی، وہ بنا اس کی تکلیف کی پروا کیے بے نیاز کمرے سے نکل گیا تھا۔

اگلی صبح وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ زارون رات شاور لینے کے بعد پیٹ پوجا کر کے سکون کی نیند سو چکا تھا۔ اب وہ جس حال میں تھی اسے اس سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ اس کی آنکھ دن کے تقریباً سوا گیارہ بجے کھلی تھی وہ بھی اپنے ہی موبائل کی تیز رنگ سے۔ قدرے غنودگی میں بھی اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل ہاتھ میں لیا تھا۔ بڑے بھائی کی کال تھی۔ اس کی نیند بھک سے اڑ گئی۔

"السلام علیکم بھائی!"

''وعلیکم السلام۔کہاں ہو؟''

''کیوں خیریت؟''

''نہیں خیریت نہیں ہے۔بابا سائیں کو رات شدید ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ہم لوگ فوراً شہر کے ہاسپٹل لے آئے تھے مگر ان کی حالت بہتر نہیں ہوئی۔ڈاکٹرز کے مطابق اگلے بارہ گھنٹے بہت اہم ہیں۔کچھ بھی ہوسکتا ہے۔''ان کا لہجہ ان کی پریشانی کی چغلی کھا رہا تھا۔زارون بے چین ہوا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں بھائی.....بابا کو کچھ نہیں ہوسکتا۔''اس کا لہجہ کپکپایا تھا جب وہ بولے۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔تم مل لو آ کر،معافی مانگ لو،نہیں تو ساری عمر کا پچھتاوا رہ جائے گا۔''

''اللہ نہ کرے بھائی.....آپ مجھے ہاسپٹل کا بتائیں۔میں فوراً پہنچ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔آجاؤ!'' کہتے ہی انہوں نے فوراً کال کاٹ کر اسے ہاسپٹل کا نام اور لوکیشن سینڈ کر دی تھی۔زارون نے میسج ملتے ہی فوراً بستر چھوڑا اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر اپنا والٹ اور موبائل اٹھاتے ہوئے فوراً گھر سے نکل گیا تھا۔محراب کس حال میں تھی،اسے یہ دیکھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

گاڑی فل اسپیڈ میں چھوڑ کر اگلے پندرہ منٹ میں وہ ہاسپٹل پہنچ گیا تھا۔سردار عبدالرحیم انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھے۔وہ ڈاکٹرز سے مل کر بنا کسی کی پروا کیے روم میں گھس گیا تھا۔سردار صاحب کو آکسیجن لگی تھی،اس نے قریب جاتے ہی ان کے دونوں پاؤں پکڑ لیے۔پتھر سا بے حس مضبوط دل پانی بن گیا تھا۔سردار صاحب کے دونوں پیروں کو بار بار عقیدت سے چومتے ہوئے وہ دل ہی دل میں ان سے معافی مانگتا بے آواز روتا رہا تھا۔

اگلے چالیس منٹ کے بعد اس کا رونا،معافی مانگنا سب بیکار گیا کیونکہ سردار صاحب نے ایک بار بھی آنکھ کھول کر اسے دیکھے بغیر دنیا چھوڑ دی تھی۔ایک قیامت تھی جس کا سامنا اس وقت زارون عبدالرحیم کو کرنا پڑا تھا۔دل جیسے کسی نے نوچ کر پہلو سے نکال لیا تھا۔زندگی بھر اس کے لاڈ اٹھانے والے،اسے سب پر اہمیت دینے والے،اس کی ہر خواہش اور فرمائش،منہ سے نکلنے سے پہلے ہی پوری

کرنے والے سردار عبدالرحیم اپنے لاڈلے کو بنا معاف کیے ضمیر کا بوجھ دل پر لے کر ابدی نیند سو گئے تھے۔ وہ آنکھوں سے خون بہاتا رہا، بلکتا رہا، مگر کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ایک کہرام تھا جو حویلی میں اٹھا تھا۔ سرخ اینٹوں سے تعمیر قلعہ نما حویلی میں نایاب عبدالکریم کے ساتھ ان کی لحد تیار کر دی گئی تھی۔ تدفین کے بعد اپنے بھائیوں سے مل کر وہ حویلی سے نکل رہا تھا جب اس کا سامنا عباد عبدالطیف سے ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی زارون کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔

عباد عبدالطیف کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی نفرت بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی مگر وہ بنا پروا کیے اس کے مقابل کھڑا ہو کر تلخ لہجے میں بولا۔

''میرے بابا کی موت تمہارا مجھ پر قرض ہے ڈیئر کزن.....اور میں نے کبھی کسی کا قرض زیادہ دن تک خود پر نہیں رکھا، یاد رکھنا یہ بات۔'' صرف آنکھوں سے ہی نہیں، اس کے لہجے سے بھی لہو ٹپک رہا تھا۔ عباد عبدالطیف کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''یہ تو وقت ہی بتائے گا زارون عبدالرحیم کہ کون کس کا قرض اتارتا ہے۔'' اس کے الفاظ اور مسکراہٹ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھے۔ وہ گہری نگاہوں سے اسے گھورتا، بنا حویلی میں مزید کسی سے ملے، وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات دیر تک سڑکیں ناپنے کے بعد شب کے بارہ بجے اس کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ سارا بنگلہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ کل ظہر کے قریب وہ بنگلے سے نکلا تھا اور اب اگلے دن کے بھی رات کے بارہ بج رہے تھے۔ جانے محراب عبدالکریم کس حال میں تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتے لان عبور کرنے کے بعد وہ ہال کمرے میں آیا تھا۔

''محراب.....'' کمرے کی لائٹس آن تھیں مگر وہاں محراب کا وجود نہیں تھا۔ تب ہی اس نے دھاڑ کر آواز دی تھی مگر جواب ندارد۔ وہاں اس بنگلے میں کوئی آ نہیں سکتا تھا، خود وہ کہیں جا نہیں سکتی تھی تو پھر کیا ہوا تھا۔ یوں اچانک کہاں جا سکتی تھی وہ؟ پہلے سے منتشر دماغ مزید منتشر ہوا تھا۔ پاگلوں کی طرح

اسے گھر کے ایک ایک کونے میں ڈھونڈتا وہ جیسے اپنے حواس کھو رہا تھا۔تب ہی اس کی نظر اس پر پڑی تھی۔ بیڈ کی دوسری طرف وہ نیچے زمین پر بے ہوش پڑی تھی یوں کہ اس کا وجود آدھے سے زیادہ چھپ گیا تھا۔شکستہ قدم اٹھاتا وہ اس کے قریب آیا پھر اس کی نبض چیک کی جو کہ بے حد آہستہ چل رہی تھی۔ ایک پل کے لیے اسے اس کی حالت پر رحم آیا اگلے ہی پل وہ پھر بے حس ہو گیا۔محراب کو بیڈ پر سلانے کے بعد وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال لایا تھا۔محراب کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر اس کو ہوش دلانے کے بعد وہ اس کے لیے چائے اور بریڈ لے آیا تھا۔

''اٹھو..... یہ کھا لو شاباش.....'' محراب کی کھلی آنکھوں کی سرخی سے نگاہ چراتے ہوئے اس نے خلاف توقع نرم لہجہ اختیار کیا تھا۔جواب میں محراب کی آنکھیں پھر بند ہو گئی تھیں۔ایک تو مسلسل بھوک کی نقاہت، اوپر سے تیز بخار نے اسے نچوڑ کے رکھ دیا تھا۔زارون کو خبر ہی نہیں تھی کہ پچھلے اٹھارہ گھنٹے اس اجنبی گھر میں اس تنہا لڑکی نے کس اذیت میں گزارے تھے۔

وہ جو چند گھنٹے کہیں اکیلی نہیں رہتی تھی۔پچھلے اٹھارہ گھنٹوں سے اکیلی تھی۔اسی خوف نے اس کے اعصاب سلب کر دیے تھے۔زارون نے اس بار اس کی پلکیں بند ہونے پر پوری پانی کی بوتل اس کے سر پر انڈیل دی تھی۔

''آنکھیں کھولو محراب..... تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں میں جو یہاں بیٹھ کر تمہیں ہوش میں لانے کی کوششیں کرتا رہوں۔'' اس بار اس کی آواز بلند ہوئی تھی مگر محراب کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔تب ہی وہ خالی بوتل غصہ سے اس پر پھینکتے ہوئے وہاں سے اٹھا تھا۔

''مرو تم۔'' اسے کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ اس کی وجہ سے بے قصور کس حال میں تھی۔وہ رات اس نے مسلسل سگریٹ نوشی کرتے ہوئے گزاری تھی۔محراب زندہ رہتی ہے یا نہیں، یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔فی الحال اس کے لیے دنیا کا سب سے بڑا غم اپنے محبوب باپ سے دائمی جدائی تھا اور یہ ایسا غم تھا جس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی۔

بخار کی شدت کم ہو چکی تھی مگر نقاہت باقی تھی۔ بہ مشکل ہمت کر کے اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو سر چکرا کر رہ گیا تھا۔ گھومتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، تب ہی اسے بیڈ کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھا زارون عبدالرحیم دکھائی دیا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر اس کا گریبان پکڑے اور اس کے چہرے پر بنا مجازی خدا ہونے کا احساس کیے پے در پے تھپڑوں کی برسات کر دے جو اسے وہاں اس دیوہیکل بنگلے میں قید کرنے کے بعد اس کے وجود سے یکسر غافل ہو چکا تھا۔ مگر ابھی وہ اس قابل نہیں تھی تب ہی خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ زارون نے اسے اٹھ کر واش روم کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ وہ نڈھال تھی۔ وہ بے حس سا اپنی جگہ بیٹھا رہا تھا۔ محراب واش روم سے باہر آئی تو اسے بھوک کا احساس ہوا تھا۔ کچھ پکا کر کھانے کی ہمت ہی نہیں تھی اور زارون سے ایسی نیکی کی امید رکھنا بیکار تھا تب ہی وہ اسے نظر انداز کرتی چکراتے سر کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

کچن میں چائے کا سامان موجود تھا اسے ہی غنیمت جانتے ہوئے اس نے فوری چائے بنا کر وہاں سلیب پر رکھے سامان میں ڈھونڈ کر بسکٹ نکال لیے۔ بھوک سے دہائیاں دیتے معدے کے لیے فی الحال یہی بہت تھا۔ ایک پیکٹ بسکٹ کے ساتھ چائے پی کر وہ کمرے میں واپس آئی تو زارون جیسے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے ایک سرسری نگاہ محراب کے شکستہ وجود پر ڈالی تھی۔

"کل صبح حویلی جانا ہے، تیار رہنا۔"

"کیوں؟" بے ساختہ حیران ہوتے ہوئے اس نے اسے دیکھا تھا۔ بات ہی ایسی تھی۔ بھلا جس حویلی سے وہ ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ آئی تھی، اس حویلی میں واپسی ایک سوالیہ نشان ہی تو تھا۔ زارون نے گہرا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑ دیا تھا۔

"ضروری ہے اس لیے۔"

"میری ضرورت نہیں ہو سکتی حویلی والوں کو۔"

"میں نے کب کہا کہ حویلی والوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ فی الحال

وہاں جانا ضروری ہے۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں، میرا وہاں جانا کیوں ضروری ہے جبکہ مجھے خود حویلی والوں نے سولی چڑھا کر وہاں سے دربدر کر دیا ہے۔" اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ سی چبھن تھی۔ زارون کو اس کے الفاظ بے حد ناگوار گزرے، تاہم وہ ضبط کر گیا۔

"تمہیں سولی چڑھانے والا دنیا میں نہیں رہا، اس لیے۔" اس بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔ محراب ہل کر رہ گئی۔

"کیا کہا تم نے؟" اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ زارون نے اذیت سے پلکیں موند لیں۔

"اپنی بات بار بار دہرانے کا قائل نہیں ہوں میں..... کل صبح تمہیں میرے ساتھ حویلی چلنا ہے اور بس۔" اسے اگر عباد عبداللطیف کی طرف سے ملنے والی دھمکی کا خوف نہ ہوتا تو شاید وہ کبھی اسے اپنے ساتھ حویلی نہ لے جاتا، مگر اب اسے یہاں اکیلے چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ جو شخص اپنے تیز ترین خفیہ ذرائع سے اس کے جرائم کا پتا لگا سکتا تھا اس کے لیے اس لڑکی کا پتا لگانا قطعی مشکل نہ تھا۔ اور وہ جو اس لڑکی کے لیے اپنا سب کچھ گنوا کر بیٹھا تھا اب کسی طور اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ مگر یہ بات محراب عبدالکریم نہیں جانتی تھی تب ہی وہ تلخ لہجے میں بولی تھی۔

"پورے اٹھارہ گھنٹے مجھے اس جہنم میں مرنے کے لیے اکیلا چھوڑ کر اب تمہیں اس بات کا احساس ہوا ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ اس خونی حویلی میں جانا چاہیے؟"

"ہاں!"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"میں نے تمہاری اجازت نہیں لی..... تمہیں صرف انفارم کیا ہے۔"

"تم مر کیوں نہیں جاتے زارون عبدالرحیم۔" وہ زچ ہوئی تھی۔ زارون کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تمہاری بددعاؤں نے میرے باپ کی جان لے لی، کیا یہ کافی نہیں ہے؟''

''شٹ اپ۔'' وہ ہرٹ ہوئی تھی۔ زارون سگریٹ کے بگولے بنا کر کمرے کی فضا کو بوجھل کرتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح ناچاہتے ہوئے بھی وہ اس کے ساتھ حویلی جانے کے لیے گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ کل رات جو عذاب اس نے بنگلے کی تنہائی میں سہا تھا، پھر سے وہی عذاب دوبارہ سہنے کی ہمت نہیں تھی اس میں تب ہی وہ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ زارون نے اسے بھی اپنی فتح کے کھاتے میں درج کرتے ہوئے چپ چاپ گاڑی حویلی کے رستے پر ڈال دی تھی۔ اگلے پون گھنٹے کے بعد وہ زارون کے ساتھ حویلی پہنچی تو مریم بیگم اسے دیکھتے ہی یوں اس سے لپٹ کر روئیں گویا وہ برسوں بعد ملی ہو۔ محراب حیران سی انہیں دیکھے گئی۔ حویلی میں اس وقت سردار عبدالرحیم اور نایاب کے لیے قل خوانی میں ختم قرآن پاک کا انتظام ہو رہا تھا۔

محراب میں سب کے درمیان بیٹھنے کی ہمت نہیں تھی لہٰذا کسی سے ملنے بنا وہ سست روی سے چلتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ مریم بیگم بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ آئی تھی۔

''کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا محراب، کیا بہت تشدد کرتا ہے زارون تم پر؟'' اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے وہ فکرمندی سے بولی تھیں۔ محراب کے لبوں پر مجروح سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے امی..... قسمت میں تو یہی لکھا تھا۔''

''میں نے منع کیا تھا درس میں مت جاؤ مگر تم نے میری نہیں سنی۔''

''درس میں نہ جاتی تو کیا ہو جاتا امی..... اس نے جو ٹھان لی تھی وہ کرنی تھی۔ درس چھوڑ بھی دیتی تو وہ حویلی میں ہی کوئی نہ کوئی الزام لگا دیتا۔ نایاب کے ساتھ جو ہوا بھول گئیں آپ؟''

''نہیں..... کچھ نہیں بھولی میں، بس اسی دن سے ڈرتی تھی، میرا ڈر میرے سامنے آ گیا۔''

''ڈرنا چھوڑ دیں امی..... ہمارے پاس اب کھونے کے لیے کچھ نہیں رہا۔'' اس کا حال ایسا تھا جیسے کوئی صحرا میں آبلہ پا جانے کتنی مسافت طے کر کے منزل پر پہنچا ہو۔ مریم بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''کاش میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی میری بچی۔'' وہ آزردہ تھیں۔ محراب اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتی اداسی سے مسکرادی۔

''میرے لیے نہیں..... کاش آپ نایاب کے لیے کچھ کر سکتیں۔''

''ہاں بہت بدنصیب ہوں میں..... خدا میرے جیسی بے بس ماں کسی کو نہ دے جو اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔''

وہ رو پڑی تھیں۔ محراب نے محبت سے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''خود کو الزام دے کر دکھی ہونا چھوڑ دیں امی..... اس حویلی کی کوئی عورت کبھی بھی اپنے حق کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔''

مریم بیگم کا سر جھکا تھا۔ کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔ تب ہی مریم بیگم بولی تھیں۔

''عباد بہت پشیمان ہے..... معافی مانگنا چاہتا ہے تم سے۔''

''کس بات کی معافی؟''

اس نے اچانک سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا، تب ہی وہ بولیں۔

''اس سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے محراب..... بہت دکھی ہے وہ۔''

''کوئی پروا نہیں..... میرے دل سے اتر گیا ہے وہ۔''

''نہیں محراب..... ایسا مت کہو۔ صرف وہی ہے جو تمہیں اس شیطان کی قید سے آزاد کر سکتا ہے۔''

''مجھے اس شیطان کی قید میں پہنچانے والا بھی وہی ہے..... نہ وہ طلاق دیتا، نہ میں اس شیطان کی قید میں جاتی۔''

''اس سے غلطی ہوگئی بیٹا..... وہ غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔''

''بس کر دیں امی..... گڑھے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ویسے بھی زارون عبدالرحیم میری واپسی کا ہر راستہ بند کر چکا ہے۔''

''تم اس کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتیں میری بچی۔''

''میں اب عباد کے ساتھ بھی کبھی خوش نہیں رہ سکتی امی۔'' اس کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔ مریم بیگم بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئیں۔

''میں اب تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔'' چند لمحوں بعد اس نے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے سو جاؤ۔'' مریم بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آج رات ٹھہرو گی ناں؟'' کمرے سے نکلتے ہوئے انہیں یاد آیا تھا۔

محراب نے بالوں کو کیچر کی قید سے آزاد کر کے سر تکیے پر رکھ دیا۔

''پتا نہیں امی.....اس جلاد کا کوئی پتا نہیں، وہ ٹھہرتا ہے یا نہیں۔''

''تم کہو تو میں بات کر کے دیکھوں اس سے؟''

''نہیں.....میں نہیں چاہتی میرے یہاں ٹھہرنے سے پھر حویلی میں کوئی ہنگامہ ہو۔ عباد بھی یہیں ہے، میں اس کا سامنا بھی نہیں چاہتی۔''

''ٹھیک ہے بیٹا.....جیسے تمہاری مرضی۔'' اثبات میں سر ہلا کر لائٹ آف کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ محراب نے آنکھیں بند کر لیں۔

پچھلے تین روز کی نیند پوری کرنی تھی مگر زارون نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب اس نے مریم بیگم کو واپسی کا پیغام بھجوا دیا تھا۔

''تھوڑی دیر اور رک جاتے بیٹا.....محراب سو رہی ہے شاید طبیعت ٹھیک نہیں اس کی۔'' وہ خود اس کے سامنے کھڑی التجا کر رہی تھیں۔ کلائی پر گھڑی باندھتے ہوئے اس نے سرسری نگاہ سے انہیں دیکھا۔

''نہیں چچی.....میں پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں۔ اسے اٹھائیں ابھی نکلنا ہے۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی مزید اصرار نہ کر سکیں۔ محراب سو رہی تھی، جب مجبوراً انہیں اسے اٹھانا پڑا۔

''محراب.....'' ایک دو بار آوازیں دینے کے بعد انہوں نے اس کا کندھا جھنجھوڑا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگ گئی۔

''جی......''

''زارون بلا رہا ہے۔''

''کیوں خیریت؟''

''ہوں...... جانے کے لیے کہہ رہا ہے۔''

''کیا ٹائم ہوا ہے؟''

''عصر ڈھل رہی ہے۔''

اس کی نیند ادھوری رہ گئی تھی مگر پھر بھی دل مارتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے۔''

''ایک بات کہنی تھی تم سے۔''

وہ دوپٹا اٹھا کر سر پر سلیقے سے اوڑھ رہی تھی جب مریم بیگم نے کہا۔محراب کی نظریں ان کے چہرے پر جم گئیں۔

''جی کہیں......''

''زارون کے ساتھ جتنا ہو سکے محتاط رہنا، بھروسے لائق آدمی نہیں ہے وہ۔''

''جانتی ہوں...... بے فکر رہیں آپ۔''

''ایک اور بات بھی کرنا تھی۔''

''جی......'' اس کی نظریں بدستور ان کے چہرے پر جمی تھیں تب ہی وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولیں۔

''میرا دل نہیں لگتا یہاں اس حویلی میں...... دل چاہتا ہے یہاں سے کہیں دور بھاگ جاؤں، کبھی کبھی رات میں اچانک گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے، آنکھ کھلتی ہے تو نایاب نظر آتی ہے، کبھی ہنستے ہوئے، کبھی روتے ہوئے، کبھی گول گول گھومتے ہوئے۔ میں بہت ڈر جاتی ہوں محراب...... ساری ساری رات سو نہیں سکتی۔'' ان کے چہرے پر درد رقم تھا۔محراب کا دل جیسے کسی نے ٹکڑوں میں کاٹ

ڈالا۔ دوپٹا سر پر جماتے ہوئے وہ ان کے قریب آئی تھی۔ پھر اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیے۔

''میں آپ کی تکلیف بخوبی محسوس کر سکتی ہوں امی..... مگر میں بھی اتنی ہی بے بس ہوں جتنی کہ آپ، مگر آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی بیٹی کا ایک قاتل خود ابدی نیند سو چکا ہے، دوسرے قاتل کی زندگی میں اتنی عذاب بنا دوں گی کہ وہ موت مانگے گا اسے موت نہیں ملے گی۔ وعدہ ہے یہ میرا آپ سے۔'' اس کی آنکھوں میں نفرت کی جو آگ دہک رہی تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ مریم بیگم اسے خود سے لپٹا کر دیر تک بے آواز روتی رہیں، تب ہی وہ وہاں آیا تھا۔

''آپ لوگوں کا میل ملاپ اگر ختم ہو گیا ہو تو چلیں۔'' بھاری لہجے میں کہتے ہوئے وہ انہیں چونکا گیا تھا۔ مریم بیگم نے بنا اس کی طرف دیکھے، محراب کو خود سے الگ کر دیا تھا۔

''جاؤ میری جان..... اللہ تمہارا حافظ و نگہبان ہو۔''

''آپ بھی اپنا خیال رکھیں..... میں پھر آؤں گی۔'' وہ اب بھی انہیں تسلی دے رہی تھی۔ زارون نے کوفت سے رخ پھیر لیا۔

وہ لوگ حویلی سے گھر پہنچے تو مغرب کا وقت تنگ پڑ رہا تھا۔ زارون اسے گھر ڈراپ کر کے باہر گیٹ سے ہی گاڑی ریورس کرنے لگا تو وہ بول اٹھی۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''تم سے مطلب؟''

''کوئی مطلب نہیں مگر میں اس دیو ہیکل بنگلے میں رات کے وقت اکیلی نہیں رہ سکتی۔''

''تو؟'' قطعی انجان بنتے ہوئے اس نے ابرو اچکائے تھے۔ محراب خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔

''تو یہ کہ اگر آج کی رات مجھے اس بنگلے میں، پچھلی راتوں کی طرح بے حد خوف کے عالم میں اکیلے گزارنی پڑی تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں میں یہاں نہیں رہوں گی۔''

''اوہ..... یعنی تم کہنا چاہتی ہو کہ مجھے رات میں ہر صورت میں یہاں تمہارے پاس ہونا

چاہیے۔'' اسٹیرنگ چھوڑ کر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔ ''ویسے یہاں نہیں رہو گی تو کہاں رہو گی.....ہوں؟''

''جہنم میں.....'' اس کی طیش دلاتی آنکھوں میں غصے سے دیکھتے ہوئے وہ تڑخ کر بولی تھی۔

جواب میں وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''چلو دیکھتے ہیں پھر کس جہنم میں رہتی ہو تم۔'' مزے سے کہتے ہوئے وہ پھر سے گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ محراب کلس کر رہ گئی۔

پورے بنگلے کی لائٹس آن کرنے کے باوجود تنہائی کا خوف دل کو پریشان کر رہا تھا۔ وہ بیڈ روم سے نکل کر ٹیرس پر چلی آئی تھی۔

زارون گاڑی لے کر نکل چکا تھا اور اب اس کی گھر واپسی کب ہونی تھی، محراب کو قطعی کوئی اندازہ نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

سنو! تم نے کبھی ساحل پر بکھری ریت دیکھی ہے
سمندر ساتھ بہتا ہے
مگر اس کے مقدر میں ہمیشہ پیاس رہتی ہے
سنو! تم نے کبھی صحرا میں جلتا پیڑ دیکھا ہے
سبھی کو چھاؤں دیتا ہے
مگر.....!
اس کے مقدر میں ہمیشہ دھوپ رہتی ہے
سنو! تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑے پھول دیکھے ہیں
جو خوشبو بانٹ دیتے ہیں بکھر جانے تلک لیکن
ہوا کا ساتھ دیتے ہیں

سنو! تم نے کبھی میلے میں بجتا ڈھول دیکھا ہے

عجب ہے المیہ اس کا بہت ہی شور کرتا ہے

مگر اندر سے خالی ہے

یہی میرا افسانہ ہے، بس اتنی سی پہیلی ہے!

ٹیرس پر کھڑے اطراف میں نگاہ دوڑاتے ہوئے اسے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی جب اس کی نگاہ سامنے والے گھر کے قریب چنگھاڑتی ہوئی ایمبولینس پر جا پڑی تھی۔

چاکلیٹی کلر کا گیٹ کھلا تھا اور ایک مرد کسی مرد کو بانہوں میں اٹھائے تیزی سے بھاگتے ہوئے ایمبولنس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے پیچھے ہی لمبے کھلے ریشمی بالوں والی ایک خوب صورت لڑکی پاگلوں کی طرح روتی چلاتی بھاگتی آئی تھی۔ محراب کو بھول گیا کہ وہ بنگلے میں اکیلی ہے۔ اس کی تمام تر توجہ سامنے کے منظر کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا جو ایمبولنس منگوائی گئی تھی اور خدا جانے اس لڑکی کا اس مرد سے کیا تعلق تھا جو دوپٹے سے بے نیاز، سسکتی، بلکتی ان دونوں مردوں کے پیچھے بھاگتی آرہی تھی۔

''کیا ہوا ہوگا بھلا وہاں؟'' اردگرد سے قطعی بے خبر اس کی تمام تر توجہ سڑک کے اس پار دکھائی دینے والے منظر پر مرکوز تھی۔

تب ہی اس کی سماعتوں میں نیچے گیٹ پر ہونے والی زوردار دستک کی آواز گونجی تھی۔ وہ چونک گئی۔ شاید زارون آگیا تھا۔

شاید اس کی دھمکی کام کر گئی تھی جو اس نے زارون کو دی تھی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ سڑک کے اس پار دکھائی دینے والے منظر سے نگاہ ہٹاتی نیچے چلی آئی تھی۔

محل جیسے اس گھر میں زارون نے اس وقت تک نہ کسی گارڈ کا انتظام کیا تھا نہ کسی اور ملازم تھا۔ شاید وہ اسے تنہائی کی اذیت میں رکھنا چاہتا تھا یا شاید اسے ابھی کسی پر اعتبار نہیں تھا۔ انہی خیالوں میں الجھی وہ گیٹ تک آئی تھی۔

''کون؟'' گیٹ کھولنے سے پہلے اس نے پوچھا تھا، جب جواب آیا۔

''عباد عبدالطیف..... دروازہ کھولو۔'' محراب کا دل دھڑکا تھا۔ تاہم اس نے لاک نہیں کھولا۔

''چلے جائیں یہاں سے..... اس گھر میں آپ سے ملنے والا کوئی نہیں رہتا۔''

''پاگل مت بنو محراب..... میں تمہیں ایک قاتل کی قید سے رہائی دلانے آیا ہوں۔''

''مجھے نہیں چاہیے رہائی۔'' بلند آواز میں وہ چلائی تھی۔

''تمہیں میری بات سننی ہوگی محراب..... جب تک تم دروازہ نہیں کھولو گی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔'' محراب کی بلند آواز کے جواب میں عباد کا لہجہ دھیما تھا۔ تب ہی لاک کھلا تھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو اب..... کیا رہ گیا ہے ہمارے درمیان..... کیوں نہیں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیتے آپ؟'' گیٹ کھولتے ہوئے وہ جذباتی ہوئی تھی۔ عباد اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے اندر چلا آیا تھا۔

''نہیں چھوڑ سکتا تمہیں تمہارے حال پر..... کیونکہ میری وجہ سے ہی زندگی کے اس امتحان سے گزر رہی ہو تم۔'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے بلند لہجے میں کہا تھا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تہ شدہ کاغذ نکال لیا۔

''یہ دیکھو..... یہ وجہ تھی ہماری طلاق کی۔'' کاغذ محراب کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے اس کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔ محراب ناچاہتے ہوئے بھی اپنی لکھائی میں لکھے اس مسودے کی تحریر میں الجھتی گئی تھی۔ مارے حیرانی کے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''میں نے نہیں لکھا یہ.....'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بہت دھیمے لہجے میں بولی تھی۔ عباد نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''جانتا ہوں..... یہ سب زارون کی چال تھی، تمہاری دوست غزالہ کا کیا دھرا ہے یہ سب۔'' ایک کے بعد ایک وہ اسے سارے واقعات بتاتا گیا۔ جیسے جیسے وہ بتا رہا تھا ویسے ویسے محراب کی آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں۔

''خود بتاؤ محراب..... میری جگہ تم ہوتی تو کیا کرتی؟''

اس نے پوچھا تھا اور عین اسی پل باہر گیٹ پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ محراب کا رنگ اڑ گیا، جبکہ عباد نے چونکتے ہوئے فوراً اپنی جیب سے پسٹل نکال لی تھی۔

''آج اس شخص کا فیصلہ ہو کر رہے گا..... آج یا تو وہ نہیں، یا میں نہیں۔'' محراب کا سر تھپتھپا کر اسے حوصلہ دیتے ہوئے وہ گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ محراب اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ اپنی آنکھوں سے حویلی کے ایک اور فرد کی موت دیکھنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ تب ہی وہ بھاگ کر بیڈ روم میں قید ہو گئی تھی۔ خوف سے سہما دل عباد عبدالطیف کی زندگی کے لیے دعا گو تھا۔

آہنی گیٹ کے اس پار زارون عبدالرحیم اپنے گھر کے باہر عباد عبدالطیف کی گاڑی کھڑی دیکھ کر گویا غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس جرأت پر وہ عباد اور محراب دونوں کی جان لے لیتا۔ گیٹ کھلتے ہی وہ بھوکے شیر کی مانند عباد پر جھپٹ پڑا تھا۔ عباد عبدالطیف اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا تب ہی زارون کے اچانک پڑنے والے گھونسے نے اس کی پسٹل دور پھینک دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئے مکوں اور لاتوں سے ایک دوسرے کی تواضع کر رہے تھے۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ آنے والے چند لمحے ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کتنے خطرناک ثابت ہونے والے ہیں۔

محراب کا دل زرد پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی وقت کی رکاب میں اب اس کے لیے کیا بچا تھا مگر اسے عباد کی فکر تھی۔ نایاب عبدالکریم کے بعد وہ عباد عبدالطیف کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ تب ہی صدق دل سے اس کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔ عین اسی لمحے گولی چلنے کی آواز آئی اور اس کا دل گویا ساکت ہو گیا تھا۔

کیا ہوا ہو گا۔ یہی سوچ اور فکر اسے کمرے سے باہر روڈ کی جانب کھلنے والی گلاس ونڈو کے قریب لائی تھی۔ اگلے ہی پل اس نے دیکھا باہر روڈ پر زارون عبدالرحیم کی گاڑی کے عین قریب عباد خون میں لت پت نیچے زمین پر چت پڑا تھا۔ تب ہی ایک مرتبہ پھر اس نے گولی کی آواز سنی اور اگلے ہی

پل اس کی ٹانگیں جیسے بے جان ہوگئی تھیں۔ اس کے پیروں میں مزید اس کے وجود کا بوجھ برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی، لہٰذا وہ وہیں ڈھے گئی۔

یہ کس آزمائش کے لیے چن لی گئی تھی وہ؟

ایک کے بعد ایک یہ کیسے عذاب ٹوٹ رہے تھے اس پر؟ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے خالی ذہن سے زمین پر بیٹھی اب وہ اپنی سزا کا انتظار کر رہی تھی۔ یقیناً عباد عبدالطیف کے جسم میں گولیاں اتار کر زارون عبدالرحیم کو اب اس کی طرف آنا تھا۔

❁ ❁

ناول **وہ جو عشق تھا** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **5** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

منعم ملک کا بہت خوبصورت نیا ناول

نمکین پانیوں کا سفر

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

گل ارباب کا بہت خوبصورت نیا ناول

عشق جادوانی

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

قسط نمبر 3

اندھیرا لاکھ ہو، مجھ کو سحر کی آس رہتی ہے
یہی وہ روشنی ہے جو مجھے ڈرنے نہیں دیتی
مجھے معلوم ہے وعدہ نبھانا سخت مشکل ہے
مری کم ہمتی انکار بھی کرنے نہیں دیتی

وہ دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تھی جب وہ دھاڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ سرخ انگارہ آنکھوں میں جیسے خون سوار تھا۔ محراب کا شدت سے دھڑکتا دل یکلخت ساکت ہوا تا ہم زارون نے اس کی خوف زدہ آنکھوں میں نہیں دیکھا تھا۔ شدید غصے کی حالت میں کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ کسی عقاب کی طرح اس پر جھپٹا تھا۔

''بدذات، بدکردار، بے غیرت لڑکی۔ کہا تھا ناں تم سے کہ تم صرف میری ہو...... میری ضد، میری پسند ہو، نہیں دستبردار ہو سکتا میں تم سے، کیا کیا نہیں کیا تمہارے حصول کے لیے میں نے اور تم ہو کہ پھر بھی نقب لگانے پر تلی ہوئی ہو۔ کس مٹی کی بنی ہو تم؟'' حلق پھاڑ کر چلاتے ہوئے اس نے اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔

محراب چلانے لگی۔

''چھوڑو مجھے...... نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔''

''کرتی رہو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' تنک کر کہتے ہوئے وہ اسے بازو سے کھینچتا بیڈروم سے باہر لے آیا تھا۔

''تم جیسی عورت پر اعتبار کا مطلب ہے خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنا، اب جب تک میں تمہارا کہیں بندوبست نہیں کر دیتا، مرو یہیں پر۔'' چھوٹے سے اسٹور میں اسے بند کرتے ہوئے وہ جنونی ہو رہا تھا۔ محراب کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔

چھوٹا سا تاریک اسٹور جس میں کاٹھ کباڑ کے سوا اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی، اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ زارون اسے اسٹور میں بند کرنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر آیا، سرعت سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور درد سے تڑپتے عباد عبداللطیف کو اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھالتا، گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پھینک دیا تھا۔

''میں چاہتا تو ایک ہی گولی میں تمہارا کام تمام کر سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ پتا ہے کیوں؟ کیونکہ تم اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے ہو، اس بڑھاپے میں اپنے سگے چچا کو بے موت مرتے نہیں دیکھ سکتا میں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز مت سمجھنا کہ اگلی بار محراب تک پہنچنے کی تمہاری غلطی میں آسانی سے معاف کر دوں گا، سمجھ گئے ناں۔ شاباش! دور رہنا محراب سے۔'' جھک کر تنبیہی لہجے میں کہتا وہ اسے زہر لگا مگر تکلیف اتنی تھی کہ فی الحال وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

جسم سے خون تیزی سے بہنے کی وجہ سے اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ زارون اسے پچھلی سیٹ پر آرام سے لٹا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ قریبی ہسپتال میں اپنے ایک دوست کے توسط سے اس کے بڑے بھائی کے سامنے کھڑا تھا جو سرجن تھے۔

''عامر بھائی! فوری آپریشن کا بندوبست کریں۔ کزن ہے میرا۔ تین گولیاں لگی ہیں جسم میں، خون تیزی سے بہہ رہا ہے مگر خون کی فکر نہ کریں۔ میرا اور اس کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے۔ جتنی چاہیئں اتنی بوتلیں دینے کے لیے تیار ہوں مگر اسے کچھ ہونا نہیں چاہیے پلیز۔'' اس کا دوست چونکہ پہلے ہی اپنے بھائی سے بات کر چکا تھا لہٰذا بنا پولیس کو ملوث کیے عباد کے فوری آپریشن کا بندوبست ہو گیا تھا۔

عباد کے جسم میں تین گولیاں پیوست تھیں۔ ایک دائیں ٹانگ میں، ایک بائیں کندھے پر اور تیسری پیٹ میں۔ زارون عبدالرحیم نے اسے ہاسپٹل پہنچانے میں دیر نہیں کی تھی مگر خون بہت زیادہ

بہہ گیا تھا۔ سردار عبدالطیف اور حویلی کے دیگر افراد تک جس وقت یہ خبر پہنچی، اس کا آپریشن ہو چکا تھا۔ زارون کو وہاں موجود دیکھ کر سردار عبدالطیف کو سارا معاملہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ خون جیسے ان کی رگوں میں ابلنے لگا تھا۔

''کیا ہوا ہے میرے بیٹے کو؟'' خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے انہوں نے پوچھا جب کہ وہ کمال بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں، تین گولیاں لگی ہیں مگر بے فکر رہیے، زندہ بچ جائے گا۔ ڈاکٹر نے گولیاں نکال کر خون چڑھا دیا ہے۔''

''اسے گولیاں مارنے کی ہمت کس نے کی؟''

''کون کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے جسے اس سے مسئلہ ہوگا، وہی ہمت کرے گا۔''

''تم اب اپنی حد پار کر رہے ہو زارون۔''

''نہیں..... نہیں چاچا جان۔ حد پار کرتا تو اس وقت حویلی میں چچی جان کی چیخیں گونج رہی ہوتیں اور آپ کے کندھے ٹوٹ گئے ہوتے مگر میں نے ایسا نہیں کیا، فی الحال اسے اپنی عزت کی طرف میلی نظر سے دیکھنے کی سزا دی ہے۔ دوبارہ اگر اس نے ایسی جرأت کی تو نہ آپ کو یہاں ڈاکٹر کے پاس آنے کی زحمت کرنی پڑے گی نہ مجھے آپ کو اس کے متعلق کوئی خبر دینے کی، یاد رکھیے گا۔''

وہ ان سے خائف ہونے کے بجائے نہایت دیدہ دلیری سے دھمکی دیتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

سردار عبدالطیف پیچ وتاب کھاتے بس مٹھیاں بھینچتے رہ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

تنگ وتاریک اسٹور میں چیخ چیخ کر اس کا گلا خشک ہو گیا تھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

زارون عبدالرحیم اسے وہاں قید کرنے کے بعد گویا اس سے غافل ہو چکا تھا۔ صبح کی سپیدی ہلکی ہلکی نمودار ہو چکی تھی تب ہی اس کے کانوں نے پنسل ہیل کی ٹک ٹک سنی۔ نیم مردہ وجود میں گویا دوبارہ زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ سرعت سے اٹھ کر اس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ جواب

میں کچھ ہی سیکنڈز کے بعد ہلکی سی کلک سے دروازہ کھل گیا تھا۔

سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے پرسوں اس نے روتے ہوئے ایمبولینس کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا۔

وہ بھلا یہاں کیا کر رہی تھی؟

لڑکی نے شاید اس کی آنکھوں میں ابھرتی حیرانی بھانپ لی تھی تب ہی اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''میرا نام آئرہ ہے، یہ سامنے والی بلڈنگ میں رہتی ہوں۔ کل رات سے آپ کے لیے بہت خوف زدہ ہوں۔ بہت خونی منظر دیکھا آپ کے گھر کے باہر۔ ایک روز کسی مرد کو آپ کا بازو گھسیٹ کر یہاں لاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ پوری رات آپ کے بارے میں سوچ سوچ کر سو نہیں سکی۔'' اس نے اپنی وہاں موجودگی کی وضاحت پیش کی۔

محراب نے جھجکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کون ہے وہ مرد جو آپ کو گھسیٹ کر یہاں لا رہا تھا؟'' گفتگو کا آغاز ہوا۔

محراب نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے صاف کیا۔

''شوہر ہے میرا۔''

''اوہ! مجھے اندازہ تھا۔ شوہر ہی ہو سکتا ہے۔ کیا زبردستی کی شادی ہے؟''

''ہوں۔''

''پڑھی لکھی ہو؟''

''ہوں۔''

''کتنا پڑھی ہو؟''

''گریجویشن کیا ہے پرائیوٹ۔''

''آگے کیوں نہیں پڑھا؟''

http://kitaabghar.com

''اجازت نہیں ملی؟''

''کس سے..... کیا شوہر سے؟''

''نہیں۔ بڑے تایا سے۔''

''کیوں انہیں کیا مسئلہ تھا؟'' وہ حیران ہوئی۔

محراب ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

''بہت لمبی کہانی ہے یہ، کبھی فرصت میں سناؤں گی، اس وقت تو آپ کی شکر گزار ہوں، آپ نے میری مدد کی۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ اصل میں کل رات میں بہت ٹینس تھی۔ اسی لیے سڑک پر ٹہل رہی تھی تب ہی اچانک میں نے آپ کے گیٹ کے سامنے ایک گاڑی رکتے اور اس میں سے ایک ہینڈسم سے مرد کو باہر نکلتے دیکھا۔ مجھے وہ غصے میں لگ رہا تھا۔ ابھی چند منٹ بھی نہیں گزرے کہ اس نے اس گھر سے نکلتے ایک دوسرے خوبرو مرد کو بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔ مارتے مارتے اچانک پتا نہیں کیا ہوا کہ اس نے گاڑی سے پسٹل نکال لیا اور یکے بعد دیگرے اسے تین گولیاں مار دیں۔ بعد میں اسی موڈ اور غصے کے ساتھ وہ اندر چلا گیا۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔ مانو اپنی جگہ سے ہلنے کی ہمت بھی نہیں بچی تھی مجھ میں۔ پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ تین چار منٹ کے بعد اکیلا باہر نکل آیا۔ میں سمجھی شاید اس نے آپ کو مار دیا ہے۔ بعد میں وہ اس زخمی شخص کو خود ہی اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر یہاں سے چلا گیا۔ میں ساری رات آپ کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ جانے آپ کس حال میں ہوں گی۔ رات تو جیسے تیسے گزر گئی مگر صبح ہوتے ہی میں خود کو یہاں آنے سے نہیں روک سکی۔'' اپنی وہاں موجودگی کی مکمل وضاحت دیتے ہوئے اس نے محراب کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔ وہ سر جھکا گئی۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں؟''

''ہوں۔''

''گڈ! میں یہیں سامنے رہتی ہوں۔ کوئی بھی مسئلہ یا پریشانی ہو، آپ کسی بھی وقت بلا جھجک

http://kitaabghar.com

مجھے مدد کے لیے پکار سکتی ہیں۔ان شاءاللہ جتنا ہو سکا میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"بہت شکریہ!" اس وقت وہ اتنی خوف زدہ اور غائب دماغ تھی کہ چاہتے ہوئے بھی اس سے کوئی بات نہیں کر پا رہی تھی۔

آئرہ نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی۔تب ہی اسے بنا مزید کریدے وہاں سے پلٹ گئی۔اس کے جاتے ہی محراب پر پھر سے خوف غلبہ پانا شروع ہو گیا۔

"کیا ہوا ہوگا؟ عباد عبداللطیف زندہ ہوگا یا نہیں۔" یہ سوال کسی زہریلے ناگ کی طرح بار بار اس کے اعصاب کو ڈس رہا تھا۔

صبح سے دوپہر ہو گئی تھی، وہ وہیں اسی پوزیشن میں گم صم سی بیٹھی رہی۔زارون ہسپتال سے سیدھا گھر آیا تھا۔اسے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تمہیں میں رات اسٹور میں بند کر کے گیا تھا، پھر تم باہر کیسے نکلیں؟" اس کا غصہ پھر عود آیا۔

محراب اس بار بے خوف رہی۔

بچا بھی کیا تھا اب کھونے کے لیے؟

عزت نہ محبت۔

"عباد سائیں کہاں ہیں؟" اس کے سوال نے اسے مزید تپا دیا۔تب ہی خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"وہ جہاں بھی ہو، تمہیں اس سے مطلب؟"

"میری محبت ہیں وہ۔" اپنی پوری ہمت جمع کر کے اس نے کہا۔جواب میں وہ چونک کر اسے دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

"اچھا؟ اسی لیے میری چھوٹی سی پلاننگ پر بنا کچھ سوچے سمجھے طلاق دے ماری تمہارے منہ پر؟"

"شٹ اپ!"

"شٹ اپ کی بچی آخری بار وارن کر رہا ہوں تمہیں۔زندگی کی آخری سانس تک میرے سوا

تمہاری زبان سے اور کسی مرد کا نام نہ سنوں میں، ورنہ اتنا برا کروں گا تمہارے ساتھ کہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا تم نے۔'' اسے گدی سے پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے گویا اس نے دھمکی دی۔ محراب ان آنکھوں کی وحشت دیکھتی رہ گئی۔

''چلو، اب کھانا پکاؤ۔ بھوک لگی ہے، صبح سے کچھ نہیں کھایا اوپر سے دو بوتلیں خون کی نکلوائی ہیں جسم سے۔'' اگلے ہی پل وہ دھوپ سے چھاؤں بن گیا تھا۔

''چلو شاباش جلدی کرو۔ تب تک نہا کر آتا ہوں میں۔'' اس بار اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

محراب ٹوٹے اعصاب کے ساتھ شکست خوردہ سی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وہ نہا کر آیا تو وہ کچن ٹیبل پر بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی۔

''شاباش ہے تمہیں، ابھی تک پیاز ہی کاٹ رہی ہو، میں سمجھا کھانا ٹیبل پر لگ چکا ہوگا۔'' وہ نہانے میں اچھی خاصی دیر لگاتا تھا، تب ہی غصہ ہوا۔

محراب نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''روٹی پکا کر رکھ دی ہے، پلاؤ دم پر ہے، سالن میں بھی زیادہ دیر نہیں ہے۔ یہ پیاز سلاد کے لیے کاٹ رہی ہوں۔''

''ہوں، چلو پھر کھانا لگاؤ ٹیبل پر، مجھے کہیں جانا ہے۔''

کچی پیاز اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے اس نے نیا حکم جاری کیا۔

محراب نے پیاز وہیں چھوڑ کر ڈش میں چاول نکالے، ساتھ میں ہاٹ پاٹ اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ سلاد تقریباً تیار تھی، فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی نکال لی۔ مرغی کا گوشت تھا، پکنے میں زیادہ ٹائم نہیں لگا تھا، لہٰذا بوٹی چیک کر کے ڈونگے میں سالن بھی نکال لیا۔

''آجاؤ تم بھی کھالو، پتا نہیں کب سے نہیں کھایا ہوگا۔'' ڈائننگ ٹیبل پر اپنی سیٹ سنبھالنے کے بعد ڈونگے کا ڈھکن اٹھاتے ہوئے اس نے پھر اسے مرچیں لگائیں مگر وہ خاموش رہی۔

''کب تک سوگ مناؤ گی اس فضول سے انسان کا، مرا نہیں ہے ابھی بچ گیا ہے۔ بے فکر ہو کر کھانا کھاؤ۔'' اس کی خاموشی نے اسے زچ کیا مگر محراب کھڑی رہی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''بھوک نہیں ہے تب بھی کھانا کھاؤ میں جو کہہ رہا ہوں۔'' وہ جب ضد پر آ جاتا تو پھر اس کے لیے پیچھے ہٹنا آسان نہیں رہتا تھا۔ محراب نے ایک نظر سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ زارون اب اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہا تھا۔

''جانتا ہوں میں بہت خواب دیکھے ہوں گے تم نے عباد عبداللطیف کے ساتھ زندگی گزارنے کے مگر وہ شخص تمہارے لائق نہیں ہے، بودا شخص ہے بودا جبکہ تمہارے شریکِ سفر کو فولادی ہونا چاہیے تاکہ وہ تمہاری حفاظت کر سکے۔ مجھے سارا زمانہ کہتا رہے تم بدکردار ہو، پھر بھی میں کبھی تمہیں چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ بھروسہ کرتا ہوں تم پر۔'' پلیٹ میں چاول نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے گویا اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کی۔ محراب پھر بھی خاموش ہی رہی۔

''یہ جو سامنے والی بلڈنگ میں لڑکی ہے اس سے بھی زیادہ میل ملاپ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر کبھی کوئی مسئلہ ہو جائے یا میں جلدی گھر نہ آ سکوں تب مدد لے سکتی ہو۔'' وہ شخص جیسے اس گھر میں ہونے والی ہر آہٹ سے واقف تھا۔

محراب کہاں جانتی تھی کہ مین گیٹ سے لے کر اس کے بیڈروم تک میں سی سی ٹی وی کیمرا لگا تھا تاکہ وہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھ سکے۔ تب ہی سامنے والی لڑکی کے ذکر پر چونک اٹھی تھی۔

زارون اس کی حیرانی پر مسکرا دیا۔

''زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہاں موجود نہ ہو کر بھی تمہاری ہر حرکت کی خبر ہوتی ہے مجھے۔ بہرحال کھانا اچھا پکاتی ہو تم، ماننا پڑے گا۔'' ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتے ہوئے وہ اسے مسلسل حیران کر رہا تھا۔ وہ پلیٹ میں رکھے چاولوں سے کھیلتی رہی۔

''ایک پتے کی بات بتاؤں تمہیں؟ جو کسی ریاست کو فتح کرنا جانتا ہے ناں، اسے اس کی

حفاظت کرنا بھی آتی ہے۔'' پہلی بار وہ اتنا بول رہا تھا۔ شاید کل رات میں وحشت کا اس نے جو مظاہرہ کیا تھا، اس کا مداوہ کرنے کی بھونڈی کوشش تھی یہ۔ وہ اب بھی خاموش بیٹھی رہی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلتا ہوں اب کھانا کھا لینا اچھی طرح، رات میں کوشش کروں گا جلدی آ جاؤں۔'' ڈائننگ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اس نے پیشگی اطلاع دی، پھر چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد واپس پلٹ گیا۔

محراب اس کے جاتے ہی ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئی۔ دل تھا کہ بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ عباد عبدالطیف کے بارے میں سوچ سوچ کر اس نے اپنے اعصاب تھکا لیے تھے۔ نہ پاس کوئی فون تھا نہ موبائل فون کیسے اس کے بارے میں پتا کرتی، کس سے پوچھتی کہ وہ کس حال میں ہے۔ گزرتا ایک ایک لمحہ جیسے اس کے لیے پل صراط ثابت ہو رہا تھا۔

زارون نے یہ تو بتا دیا تھا کہ وہ زندہ ہے، مگر کس حال میں ہے یہ نہیں بتایا تھا۔ دن اسی اضطراب کی کیفیت میں کٹ گیا تھا۔ شام ڈھلی پھر رات آ گئی۔ زارون نے کہا تھا وہ جلدی آ جائے گا، اسی اطمینان میں جانے کب بستر پر لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب ہلکی سی کھٹ پٹ کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

کمرے میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یکلخت اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ سرہانے پڑا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح سر پر جماتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آئی تو سامنے لاؤنج میں جو منظر دکھائی دیا، اس نے بے ساختہ اسے ٹھٹک کر وہیں فریز ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

زارون گھر آ چکا تھا مگر اکیلا نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ غزالہ نامی وہ لڑکی بھی تھی جس نے مدرسے میں اس کا اعتماد جیت کر پھر دوستی کے نام پر چھرا گھونپا تھا اس کی پیٹھ میں۔ نظر کے بالکل سامنے وہ صوفے پر بیٹھی تھی اور زارون عبدالرحیم اسے چائے بنا کر پیش کر رہا تھا۔

جانے کیوں اس لمحے اس لڑکی کو وہاں دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور بنا زارون کی موجودگی کا خیال کیے کسی چیل کی طرح جھپٹ کر اس نے اس کا بازو جکڑ لیا تھا۔

''مکار، جادوگرنی، یہاں بھی پہنچ گئیں تم؟ شرم نہیں آتی رات کے اس پہر یوں بے حیاؤں کی طرح کسی کے گھر کا رخ کرتے ہوئے۔'' وہ چلائی۔

غزالہ نے اس کے ردعمل پر قدرے حیران ہو کر زارون کی طرف دیکھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ اسے بھی یہاں رکھا ہوا ہے۔''

''مجھ سے بات کرو۔'' زارون کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ چلائی۔

''شرم نہیں آتی تمہیں آدھی رات کو یوں کسی کے شوہر کے ساتھ کسی دوسری عورت کے گھر میں نقب لگاتے ہوئے، دوسری عورت بھی بھلا کون؟ جس کی پیٹھ میں اعتماد کا چھرا گھونپ کر تم نے اس کو ساری دنیا کی نظروں میں گناہ گار کر دیا۔ صرف تمہاری وجہ سے، تمہارے اس عیاش عاشق نے میری بے گناہ معصوم بہن کی بے رحم موت کا پلان بنایا، صرف تمہاری وجہ سے میرے پاک دامن پر تہمت لگی اس کے باوجود کتنی ڈھٹائی اور بے حیائی سے تم پھر میرے سامنے چلی آئیں، شرم نہیں آتی تمہیں؟''

''نہیں۔'' اس کے چلانے پر آہستگی سے اپنا بازو اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے اس نے نہایت سکون سے نفی میں سر ہلایا۔

''اپنی غلطی کی تصحیح کر لو، یہ جو سامنے شخص کھڑا ہے ناں تمہارے، صرف عاشق نہیں ہے میرا، شوہر بھی ہے۔ باقاعدہ نکاح کیا ہوا ہے ہم نے، سمجھ آئی تمہیں، تو اپنے شوہر کے ساتھ، کبھی بھی کہیں بھی جانے میں کیسی شرم، ہوں؟''

کوئی پہاڑ تھا جو اس وقت محراب عبدالکریم کے سر پر ٹوٹا تھا۔

پھٹی پھٹی سی بے یقین نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے وہ گویا چکرا کر رہ گئی۔

تب ہی زارون نے اس سے کہا۔

''تم جاؤ کمرے میں، بعد میں بات کرتا ہوں تم سے۔''

''کیا بات کرو گے اب تم مجھ سے؟'' زارون کی بات نے گویا اسے تپا دیا تھا۔ تب ہی وہ چلائی تھی۔

''تمہارا اس لڑکی کے ساتھ جائز رشتہ تھا تو بتا دیتے ناں سب کو، وہ توڑ دیتی منگنی، ہٹ جاتی

تمہارے راستے سے، اسے بے خبر رکھ کر، حویلی کے سرداروں سے اپنی اصلیت چھپا کر تم سمجھتے ہو بڑی بہادری کا کام کیا تم نے، تف ہے تمہاری مردانگی پر۔"

"شٹ اپ!" اس وقت محراب کا چلانا اسے طیش دلا گیا۔

"چلو کمرے میں۔" بجائے غزالہ کو کچھ کہنے کے اس نے محراب کا بازو پکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آیا۔

"فی الوقت تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم چپ کر کے سو جاؤ۔"

"کیوں؟ تاکہ تم اس کے ساتھ اپنی رات رنگین کر سکو، یہی کرنا تھا تو میری زندگی برباد کیوں کی، کیوں میرے اور عباد سائیں کے راستے جدا کیے، تم کتنا گرو گے زارون عبدالرحیم، کتنا گرو گے تم؟" وہ رو پڑی۔

زارون لب بھینچ کر رہ گیا۔

"اس کے ساتھ نکاح تمہیں اپنے نکاح میں لینے کے بعد کیا ہے، وہ بھی اس لیے کیونکہ تمہارے عاشق عباد صاحب نے میرے بابا اور بھائیوں کو میرے سارے پرانے کارناموں کے بارے میں بتا دیا تھا۔ خود کو اپنے بابا اور بھائیوں کی نظروں میں معتبر رکھنے کے لیے مجبوراً یہ نکاح کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بابا اور بھائیوں کی نظروں میں اپنی پارسائی کا ثبوت پیش کرنے سے پہلے ہی اپنے باپ کو کھو دیا میں نے، جو زخم اس وقت میرے دل پر لگا ہے، اس کی تکلیف تم نہیں جان سکتیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ چپ رہو، خوامخواہ چیخ چیخ کر اپنا اور میرا تماشا مت بناؤ، سمجھیں؟"

یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے اسے اپنے کسی عمل کی وضاحت دی تھی۔

محراب گال پونچھ کر رخ پھیر گئی۔

"تم جیو یا مرو میری بلا سے، جہنم میں جاؤ۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ پلٹ گئی۔ زارون بمشکل غصہ کنٹرول کرتا کمرے سے نکل آیا۔

"چلو۔" لاؤنج میں غزالہ کے مقابل آتے ہی اس نے حکم صادر کیا تو وہ چونک اٹھی۔

"کہاں؟"

http://kitaabghar.com

''تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں اور کہاں؟''

''مگر کیوں؟ تم نے کہا تھا تم آج رات میرے ساتھ رہو گے۔''

''ہاں کہا تھا مگر اب میں ہی کہہ رہا ہوں چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔''

''زارون.....!''

''بس چپ.....'' تیز قدموں سے بیرونی گیٹ کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے تنبیہ کی تو غزالہ اپنے گال پیٹ کر رہ گئی۔

''کیا ہو جاتا ہے ایک دم سے اچانک تمہیں؟ بالکل اجنبی ہو جاتے ہو تم۔'' بمشکل بھاگ کر وہ اس کے تیز قدموں کا ساتھ دے پائی تھی۔

زارون نے چپ چاپ گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ غزالہ برابر والی سیٹ پر بیٹھی تو اس نے فوراً گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔ تب ہی اپنی توجہ سامنے روڈ پر مرکوز رکھتے ہوئے وہ بنا اس کی طرف دیکھے بولا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تم سے نکاح میں نے صرف اپنی عزت بچائے رکھنے کے لیے مجبوری میں کیا تا کہ اپنے بابا اور بھائیوں کے سامنے نکاح نامہ پیش کر کے معتبر رہ سکوں، انہیں یقین دلا سکوں کہ میرا کسی بھی لڑکی کے ساتھ کوئی ناجائز تعلق نہیں ہے مگر پہلی بار اپنی پلاننگ میں کامیاب نہیں ہوا میں۔ بہر حال جو ہوا، سو ہوا۔ اب تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ تم اس نکاح کو کسی گولڈ میڈل کی طرح گلے میں لٹکا کر سارے زمانے میں میری منکوحہ ہونے کا اشتہار مت لگاتی پھرنا۔ محراب کو بتا دیا کافی ہے، کسی اور کو اگر اس راز کے بارے میں آگاہ کیا تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں اسی لمحے، اسی پل یہ تعلق توڑ دوں گا، میرے غصے سے اچھی طرح واقف ہو تم۔''

''ہاں بہت اچھی طرح واقف ہوں مگر تم بھی یہ جان لو کہ میں کوئی کلنک کا ٹیکا نہیں ہوں جسے ماتھے پر سجانے سے خوف آ رہا ہے تمہیں۔'' اسے شاید اس کی تنبیہ بری لگی تھی تب ہی غصے سے بولی تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''جب تک اس نکاح کو خفیہ رکھو گی، تب تک کلنک کا ٹیکا نہیں بنو گی، کیونکہ میں جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اس خاندان میں کسی بھی باہر کی لڑکی سے نکاح کا مطلب ہے اپنی برادری اور اس کی روایات سے انحراف کرنا۔ بابا جان زندہ ہوتے تو اور بات تھی، اب میری وہ حیثیت نہیں رہی ہے۔ اب میں اپنی کسی بھی غلطی کا دفاع نہیں کر سکتا۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا مگر غزالہ نے سنی ان سنی کر کے بات ہوا میں اڑا دی۔

اسے اس لمحے زارون عبدالرحیم پر بے حد غصہ آ رہا تھا جو اپنی بات سے پھر گیا تھا۔ وہ گھر آیا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ غزالہ کو اس نے اس کے گھر کے باہر ہی ڈراپ کر کے گاڑی ریورس کر لی تھی۔

نیند اس وقت آنا چونکہ ممکن نہیں تھا لہٰذا وضو کر کے پہلے اس نے نماز پڑھی پھر بنا محراب کی نیند خراب کیے وہیں لاؤنج میں صوفے پر سو گیا۔

محراب پھٹی شریانوں کو دونوں ہاتھوں سے سہلاتی کمرے سے باہر آئی تو سامنے ہی اسے صوفے پر آڑا ترچھا پڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے تاکہ اس سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے مگر پھر صبر کے گھونٹ پیتی نظر انداز کر کے خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ زارون کی آنکھ کھٹ پٹ کی آواز پر کھلی تھی۔

محراب کو کچن میں دیکھ کر اس نے مزید سونے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ محراب اپنے لیے چائے کپ میں انڈیل کر ابھی پلٹ ہی رہی تھی جب وہ آنکھوں میں نیند کا خمار لیے اس کے سامنے آ گیا۔

''واہ! تمہیں کیسے پتا مجھے اس وقت چائے کی طلب ہو رہی تھی۔'' نہایت ڈھٹائی سے کپ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ بولا تو محراب تلملا کر رہ گئی۔

''میری چائے ہے یہ۔'' خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتی وہ غصے سے بولی جب زارون نے کپ سے بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے کپ واپس اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اوہ سوری، میں سمجھا شاید میرے لیے بنائی ہے تم نے۔'' اسے مزا آتا تھا اسے چڑانے میں۔ محراب کا بس نہ چلتا تھا اسے کچا چبا جاتی۔

http://kitaabghar.com

''ویسے میں تو سمجھتا تھا تم کھانا بھی اچھا بناتی ہو، مگر ابھی پتا چلا تم تو چائے بھی بہت اچھی بناتی ہو، واہ!'' وہ شخص اتنا بے حس تھا کہ اس وقت اسے اس کے احساسات و جذبات کی بھی قطعی کوئی پروا نہیں تھی۔

بے بس سی پلٹ کر وہ اپنے لیے دوبارہ چائے بنانے لگی تھی۔ جب وہ ڈائننگ ٹیبل سے کرسی نکال کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

''کیا پکا رہی ہو آج کھانے میں؟''

''تمہارا سر۔'' چائے کا ڈبا غصے سے پٹختے ہوئے اس نے جواب دیا تو وہ مسکرا دیا۔

''ہاں میرا سر کھانے کی بہت شوقین ہو تم۔''

''میں نفرت کرتی ہوں تم سے۔'' اس بار وہ مزید ضبط نہیں کر سکی۔ زارون کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔

''جانتا ہوں بار بار یاد دہانی کروانے کی ضرورت نہیں۔''

''جانتے ہو تو جاؤ پھر یہاں سے، خوش رہو۔ میرے اعصاب پر سوار رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کس بات کا اتنا غرور اور گھمنڈ ہے تمہیں، مت بھولو کہ تمہیں ذلت کی موت سے بچایا ہے میں نے۔'' اس کے اندر کے خون نے اسے اس سے زیادہ برداشت کی اجازت نہیں دی تب ہی اٹھ کر اس کا بازو اپنی گرفت میں جکڑ کر بولا تو محراب کی چیخ نکل گئی۔

''ذلت کی موت میں دھکیلنے والے بھی تمہی تھے۔'' وہ چلائی تو زارون کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

''کون جانتا تھا یہ۔ اس وقت اگر میں اپنے بابا کو نہ روکتا تو اس وقت اندھیری قبر میں پڑی چیخیں مار رہی ہوتی تم۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے اب کیا کر رہی ہوں میں، تمہارا گھر کسی قبر سے کم نہیں ہے میرے لیے۔'' وہ آسانی سے زیر ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔

زارون نے تنفر سے اسے پرے دھکیل دیا۔

''جہنم میں جاؤ تم۔'' کرسی کو زبردست ٹھوکر رسید کرتا وہ کچن سے نکل گیا تھا۔
محراب نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنے آنسو خشک کر لیے۔
زندگی اس کے لیے آسان پہلے بھی نہیں تھی، اب تو اور بھی مشکل ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

کوئی زنجیر ہو چاہت کی
چاندی کی روایت کی
محبت توڑ سکتی ہے
یہ ایسی ڈھال ہے جس پر
زمانے کی کسی تلوار کا سکہ نہیں چلتا
اگر چشم تماشا میں ذرا سی بھی ملاوٹ ہو
یہ آئینہ نہیں رہتا
یہ ایسی آگ ہے جس میں
بدن شعلوں میں جلتے ہیں تو روحیں مسکراتی ہیں
یہ وہ سیلاب ہے جس کو
دلوں کی بستیاں آواز دے کے خود بلاتی ہیں
یہ جب چاہے کسی بھی خواب کو تعبیر مل جائے
دعا جو بے ٹھکانہ ہو، اسے تاثیر مل جائے
کسی رستے میں رستہ پوچھتی تقدیر مل جائے
محبت روک سکتی ہے سمے کے تیز دھارے کو
کسی جلتے شرارے کو
خفا کے استعارے کو

محبت روک سکتی ہے کسی گرتے ستارے کو
یہ چکنا چور آئینے کی کرچیں جوڑ سکتی ہے
جدھر چاہے محبت اپنی باگیں موڑ سکتی ہے
کوئی زنجیر ہو اس کو محبت توڑ سکتی ہے

عباد عبدالطیف کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا۔ سردار عبدالطیف کی آنکھوں میں گویا قہر کا طوفان بپا تھا۔ زارون کی وجہ سے ایک تو ان کے بیٹے کی زندگی پہلے ہی برباد ہو گئی تھی، اوپر سے اس لڑکے نے ان کے بڑے بھائی کی زندگی بھی چھین لی تھی۔ وہ ابھی ان صدمات سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ اپنی حدود کراس کرتے ہوئے اس نے ان کے اکلوتے لختِ جگر کو گولیوں سے چھلنی کر کے رکھ دیا تھا۔

کامیاب آپریشن کے باوجود ڈاکٹر اس کی صرف زندگی بچا پائے تھے، اسے معذوری سے نہیں بچا پائے تھے۔ اس کی وہ ٹانگ جس میں گولی لگی تھی، ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو گئی تھی۔ کوئی اس لمحے ان کے دل سے پوچھتا اس پر کیا بیت رہی تھی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ زارون کو سامنے کھڑا کر کے گولیوں سے بھون دیتے۔

گو سردار عبدالرحیم کے بڑے دونوں بیٹوں نے اپنے بھائی کی اس حرکت پر ان سے معافی مانگ لی تھی مگر ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ بدلے اور انتقام کی آگ ان کے اندر بھڑکتی سارے احساسات مسمار کر رہی تھی۔ اوپر سے زارون عبدالرحیم کو اپنی اس سفاکانہ حرکت پر کوئی شرمندگی بھی نہیں تھی۔ الٹا وہ ان پر احسان جتا رہا تھا کہ اس نے ان کے بیٹے کی زندگی بخش دی۔

اب وہ اپنے قبیلے اور علاقے کے سرپرست اور سردار تھے۔ اب انہیں اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے زارون عبدالرحیم کو سبق سکھانا تھا۔

☆......☆......☆

عباد ہسپتال سے گھر آ گیا تھا مگر اس کی حالت دیکھنے لائق تھی۔ جب سے اسے اپنی معذوری کا پتا چلا تھا وہ سارا سارا دن اپنے کمرے میں اندھیرا کیے چپ چاپ لیٹا رہتا۔

سردار صاحب اور ان کی بیگم نے بہت کوشش کی اسے حوصلہ دلانے کی مگر اس کی چپ ٹوٹنے کا نام بھی نہ لیتی۔ اسے دیکھ کر ان دونوں کا دل کٹ کر رہ جاتا۔ ان کی اکلوتی بیٹی فروا کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ زارون کا کلیجہ نکال کر چبا جاتی۔

نایاب اور محراب کے ساتھ ساتھ سردار عبداللطیف کی فیملی بھی اس کی غلط حرکات سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی اور اس سنگین صورت حال کا احساس زارون کے بڑے دونوں بھائیوں کو تھا۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یقینی طور پر سردار عبداللطیف اب زارون کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، تب ہی انہوں نے اپنے بھائی کو محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی۔ حویلی میں اس کا داخلہ سختی سے بند تھا۔ ان دونوں نے اسے پرزور الفاظ میں تلقین کی تھی کہ وہ چند روز تک گھر سے بالکل باہر نہ نکلے سوائے کسی بہت ضروری کام کے۔ جب تک کہ وہ ارجنٹ بنیاد پر اس کی اور محراب کی بیرون ملک سکونت کا بندوبست نہیں کر دیتے۔

زارون نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ ان کی ہدایت پر عمل کرے گا مگر حقیقت میں اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کی زندگی میں ڈر و خوف نام کی کوئی چیز کبھی نہیں رہی تھی۔ شام ڈھل رہی تھی جب وہ گھر واپس آیا تھا۔

محراب کپڑے دھو رہی تھی۔ اس کے دل میں نجانے کیا آئی کہ گاڑی سے نکل کر وہ سیدھا اس کے پاس چلا آیا۔

"میرے بھی دو سوٹ دھونے والے رکھے ہیں، وہ بھی دھو دو۔" اسے مزا آتا تھا اسے چڑانے میں، اس وقت بھی یہی ہوا۔

وہ غصے میں آ گئی۔

"نوکر نہیں لگی تمہاری۔"

"پھر کیا لگتی ہو؟"

"پتا نہیں۔" وہ اس وقت بالکل بھی اس کے منہ لگنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

زارون نے اس کے جواب پر اپنی فل بازو کے کف موڑ کر ہاتھ پانی میں ڈال دیے۔

''چلو میں مدد کرتا ہوں تمہاری۔''

''ضرورت نہیں ہے۔''

''سدھر جاؤ یار، ساری عمر کیا یونہی لڑتی رہو گی؟'' پرشوق نگاہوں سے اس کا تپا تپا چہرہ دیکھتے ہوئے اس نے پانی کے چند قطرے اس کی طرف اچھالے۔

محراب تنگ ہو کر اٹھ گئی۔

''تم دھلو پہلے اپنے کپڑے..... میں بعد میں دھلوں گی۔''

''اکیلے کام کرنے کی عادت نہیں ہے مجھے۔'' وہ بھی اس کے پیچھے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ زچ ہوئی۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہو میرے؟''

''اچھی لگتی ہو دل کو، کتنی بار بتاؤں؟''

''تمہیں تو ہر راہ چلتی لڑکی اچھی لگتی ہے، اس میں خاص کیا ہے؟''

''کون سی راہ چلتی لڑکی دیکھ لی تم نے میرے ساتھ؟'' ایک دم وہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اپنے دھیان میں تیز چلتی محراب ٹھٹک کر رکنے کے باوجود اس سے ٹکرا گئی۔

''غزالہ اور اس جیسی سینکڑوں لڑکیاں جن کا اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہو تم۔''

''ہاہاہا..... تمہیں وہ راہ چلتی لگتی ہے؟ کروڑ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔''

''اسی لیے مر مٹے تم اس پر۔''

''تمہیں جیلسی ہو رہی ہے؟''

''کیوں اس میں ایسی کیا خاص بات ہے جو میں اس سے جلوں؟''

''یہ تو تمہیں پتا ہو گا۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم بھی اور وہ بھی۔''

''اور تم؟'' وہ کہاں اس کی جان آسانی سے چھوڑنے والا تھا۔ محراب تپ گئی۔

''میں دنیا میں ہی ٹھیک ہوں۔''

''یہ تو زیادتی ہے یار، تمہارے بغیر میں اکیلا بھاڑ میں کیا کروں گا؟''

''مجھے نہیں پتا۔'' اس کی سائیڈ سے نکل کر وہ کچن میں چلی آئی۔

زارون بھی پیچھے ہی چلا آیا۔

''ایک کپ چائے میرے لیے بھی بنا دو۔''

''میں فارغ نہیں ہوں۔''

''چلو پیچھے ہٹو پھر میں بنا لیتا ہوں۔'' اس کا مقصد صرف اسے تنگ کرنا تھا۔ محراب کچن سے ہی نکل گئی۔

اس کا دھیان عباد عبدالطیف میں تھا کہ جانے اس کا کیا حال ہوگا۔ ایسے ہی زارون کی اٹکھیلیاں اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں، مگر اسے کہاں پروا تھی۔ محراب نے خود کو کمرے میں بند کر کے کمرا لاک کر لیا تھا۔

اس کا دل اس لمحے ٹوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا لہٰذا بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگا کر نیچے قالین پر بیٹھی وہ چپ چاپ روتی رہی۔

نایاب عبدالکریم کے لیے.....

عباد عبدالطیف کے لیے.....

اپنی بے بس مجبور ماں کے لیے.....

اپنی بے بس، بے رنگ زندگی کے لیے.....

☆.....☆.....☆

زارون کے ایبروڈ جانے کی ساری تیاری مکمل ہوگئی تھی۔ اپنے طور پر زارون کے بھائی سب خفیہ رکھ رہے تھے مگر پھر بھی سردار عبدالطیف کو خبر ہوگئی۔

حویلی میں ان کے وفاداروں کی بھی کمی نہیں تھی۔ زارون عبدالرحیم کے لیے وہ ایسی سزا تجویز کرنا چاہتے تھے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یعنی وہ اسے سزا بھی دے دیں اور ان پر الزام بھی نہ آئے۔

ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے ان کے بھائی کو دنیا سے گئے ابھی اگر وہ سب کے سامنے یتیم بھتیجے کو نقصان پہنچاتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی سرداری چلی جاتی، علاقے اور قبیلے کے سردار ان کی حرکت پر ان سے ناراض ہو کر بائیکاٹ کر لیتے۔ لہٰذا انہیں جو بھی کرنا تھا، سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔

زارون اس روز غزالہ کے ساتھ مارکیٹ آیا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ شاپنگ کی ضد کر رہی تھی اس نے سوچا چلو ایبروڈ جانے سے پہلے اسے خوش کر دے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس کے ایک ایک پل پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ وہ اور غزالہ اس وقت بوتیک میں کپڑے دیکھ رہے تھے جب سائیڈ سے ایک لڑکے نے غزالہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کا بوسہ لے لیا۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ غزالہ کو سمجھ ہی نہ آسکا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔ زارون اتنا بے غیرت نہیں تھا کہ اسے سلامت جانے دیتا۔ بھاگنے کی کوشش کرتے لڑکے کو اس نے پیچھے کالر سے پکڑ کر اس کے منہ پر مکا رسید کیا تھا۔ اتنے میں دو اور لڑکے قریب سے نکل آئے۔ وہاں بوتیک میں کسی کو بھی اصل معاملے کا پتا نہیں چل سکا تھا کہ آخر کیا بات ہوئی ہے البتہ سب یہ ضرور جانتے تھے کہ لڑائی زارون نے شروع کی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی صلح صفائی کی کوشش کرتا زارون نے پسٹل نکال لی۔ پسٹل دیکھ کر سب سائیڈ پر ہو گئے مگر اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا پیچھے کھڑے لڑکے نے اسے چالاکی سے قابو کر کے اس کی گرفت سے پسٹل نکال لی۔ اس سے پہلے کہ زارون اسے دیکھتا، غزالہ کے ساتھ بدتمیزی کرنے والے لڑکے نے اپنی پاکٹ سے پسٹل نکال کر یکے بعد دیگرے کئی فائر زارون کی ٹانگوں پر کھول دیے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی اور اچانک ہوا تھا کہ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکا تھا۔

لڑکے اپنا کام کرنے کے بعد وہاں سے فرار ہو گئے۔ کسی کو بھی ان کے بارے میں پتا نہیں چل سکا کہ وہ کون تھے۔

http://kitaabghar.com

اس وقت وہاں اتنا شور اور افراتفری مچ گئی تھی کہ ان کے بارے میں جاننے کا کسی کو ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ غزالہ چیخیں مارتے ہوئے کانپ رہی تھی۔ کوئی ایمبولینس کو کال کر رہا تھا اور کسی نے سردار عبدالطیف کو کال ملائی تھی۔

''مبارک ہو سردار صاحب! آپ کا کام آپ کی ہدایت کے عین مطابق ہو گیا ہے۔'' سردار عبدالطیف نے کال سنی اور پھر اپنے کارندے کو شاباش دیتے ہوئے کال کاٹ دی۔

حویلی اور قبیلے میں جس جس کو اس حادثے اور حادثے کی وجہ کا پتا چلا، ان کا خون کھول کر رہ گیا۔ وہ تعلق جو زارون نے اب تک چھپا کر رکھا ہوا تھا، وہ بھی منظر عام پر آ گیا تھا۔ زارون کے بڑے دونوں بھائی ہر کسی سے منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔

مریم بیگم خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔

ہسپتال میں زارون کے پاس غزالہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں کے بعد اس کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا۔ جس وقت اسے ہوش آیا، سردار عبدالطیف وہیں اس کے کمرے میں موجود تھے۔ انہیں سامنے دیکھ کر زارون کو ساری کہانی سمجھ آ گئی۔ اس کی دونوں ٹانگیں بے جان تھیں۔ وہ اذیت سے آنکھیں میچ کر رہ گیا۔ تب ہی سردار صاحب اس کے قریب آئے تھے۔

''کیسے ہو برخوردار؟''

زارون جانتا تھا وہ اس وقت اس کے پاس کیوں آئے ہیں، تب ہی خاموش رہا۔

''لگتا ہے کچھ زیادہ ہی تکلیف میں ہو اس وقت، مگر جتنی بھی تکلیف میں ہو، تمہاری تکلیف اس باپ کی تکلیف سے زیادہ نہیں ہو سکتی جس کا ایک ہی جوان بیٹا ہو، اور اس کی زندگی بھی تم نے موت سے بدتر کر دی ہو۔'' اپنے سوال کے جواب میں اس کی خاموشی پر انہوں نے پھر نمک پاشی کی۔

''اب تم ساری زندگی میرے احسان مند رہنا کہ جان بخش دی تمہاری میں نے وہ بھی صرف محراب بیٹی کی وجہ سے اور اس کے بعد میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ آ جائے گی کہ شیر چاہے جتنا بوڑھا بھی ہو جائے، اپنے شکار کو گھائل کرنا نہیں بھولتا۔ اب جیسی زندگی میرا بیٹا گزارے گا،

تم بھی ویسی زندگی ہی گزارو گے ان شاءاللہ!''

زارون کو اب سمجھ آ رہا تھا کہ اس کے بھائیوں نے اسے محتاط رہنے کے لیے کیوں کہا تھا۔ کیوں وہ فوری طور پر اس کے ملک سے باہر چلے جانے پر زور دے رہے تھے۔ اس نے لاپروائی کی اور اب اسی لاپروائی کا خمیازہ اسے بھگتنا تھا۔

سردار عبدالطیف اپنے اندر کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہاں سے چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد غزالہ اس کے پاس آئی۔

''شکر ہے ہوش آ گیا تمہیں، اب کیسی طبیعت ہے؟''

''پتا نہیں..... ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' وہ بیزاری سے بولا۔ غزالہ اس کے قریب سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''اچھی رپورٹ نہیں ہے زارون، ڈاکٹرز کے مطابق تم اب ساری عمر اپنے پاؤں پر چل نہیں سکو گے۔''

''ایبروڈ جا کر بھی نہیں؟''

''نہیں۔ کوئی چانس نہیں ہے۔'' وہ خود بھی مضطرب لگ رہی تھی۔

زارون کو چپ لگ گئی۔

''میرے گھر سے آیا کوئی؟'' بہت دیر کے بعد اس نے پوچھا تب وہ بولی۔

''نہیں، میں نے حویلی اطلاع بھجوادی تھی مگر پھر بھی کوئی نہیں آیا۔

کوئی نشتر تھا جو اس وقت زارون کے اندر پیوست ہوا تھا۔ پہلی بار اسے تنہائی بہت زیادہ محسوس ہوئی تھی۔ بہت دیر تک اس سے کچھ بولا بھی نہیں گیا تب ہی غزالہ بولی۔

''تم اپنی وائف کو یہاں بلالو، میں کل سے یہیں ہوں، میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' وہ اب معذور ہو گیا تھا تو اس رئیس لڑکی کے لیے بھی اس کی اہمیت صفر ہو گئی تھی۔

زارون چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ بالکل خالی سپاٹ نگاہوں میں جیسے دھول اڑ رہی تھی۔

''ہوں.....'' خالی دماغ کے ساتھ اس کا سر آہستہ سے اثبات میں ہلا تھا۔

''ٹھیک ہے..... میرا گھر دیکھ رکھا ہے تم نے، اسے خبر کر دینا۔'' اس وقت وہ یہی کہہ سکا۔

http://kitaabghar.com

غزالہ اسی کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً وہاں سے نکل گئی۔ اس کے وہاں سے نکلتے ہی جو پہلا خیال زارون کے دماغ میں آیا، وہ خودکشی کا تھا۔ بچپن سے اب تک اس نے ایک بھرپور زندگی گزاری تھی اب اسے یہ محتاجی اور خودترسی کی زندگی گوارا نہیں تھی۔

اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے عباد عبداللطیف کے ساتھ کتنا غلط کیا تھا مگر اب اس احساس کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔

اب اسے محراب عبدالکریم کو خود پر ہنستے ہوئے نہیں دیکھنا تھا۔ کمرے میں ادھر ادھر نظر دوڑائی، وہاں کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا۔ اسے ڈرپ لگی تھی۔ اس نے وہ نوچ کر اتار دی۔ نرس کمرے میں آئی تو اسے اس حال میں دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

''مسٹر زارون! آپ ٹھیک ہیں؟''

''نہیں! اور اب دفع ہو جاؤ یہاں سے میں مزید کوئی سوال نہ سنوں۔'' ایک لمحے میں وہ کنٹرول سے باہر ہوا تھا۔

نرس انہی قدموں پر واپس پلٹ گئی۔ اگلے پانچ منٹ کے بعد ڈاکٹر فرحت اس کے پاس آئے تھے۔

''السلام علیکم!'' کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے سلام کیا۔

زارون نے سلام کا جواب دیا نہ نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے کی زحمت کی۔ تب ہی وہ اس کے قریب چلے آئے۔

''ڈرپ کیوں اتار دی آپ نے؟''

''ضرورت نہیں تھی۔'' آنکھیں موندتے ہوئے اس نے سر پیچھے تکیے سے ٹکایا۔

تب ہی وہ بولے۔

''یہ طے کرنا کہ ضرورت تھی یا نہیں تھی، آپ کا نہیں، ہمارا کام ہے اور آپ تو جوان ہیں، خوب صورت اور سمجھ دار ہیں، زندگی کی بہت ضرورت ہے آپ کو۔''

''مفلوج زندگی کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔''

''ایسا نہیں کہتے، اللہ اپنے محبوب بندوں کو آزمائش کے لیے چنتا ہے، ان کا ایمان اور حوصلہ آزماتا ہے جو اس کی آزمائش میں سرخرو ہو جاتے ہیں ان کے لیے بڑا انعام ہے اور جو اس آزمائش میں ہمت ہار دیتے ہیں وہ انہیں دنیا اور اس کی آسائشیں عطا کر دیتا ہے، ہو سکتا ہے آپ کو اللہ نے اس آزمائش کے ذریعے کچھ ایسا دینا ہو جس کا آپ تصور بھی نہ کر سکیں۔''

''مجھے ضرورت نہیں ہے کسی چیز کی، آپ جائیں پلیز..... فی الحال میں کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' اس کا موڈ بے حد خراب تھا۔

ڈاکٹر فرحت اپنا چشمہ ٹھیک کر کے رہ گئے۔

''آپ غلط کر رہے ہیں مسٹر زارون! مایوسی کفر ہے۔''

''آپ کا تو کوئی نقصان نہیں کر رہا ناں میں، پلیز جائیں یہاں سے۔'' اس بار وہ تلخ ہوا تھا۔

ڈاکٹر فرحت کو بے حد سبکی محسوس ہوئی مگر وہ ضبط کر گئے۔

''ٹھیک ہے، آپ کو بتانا تھا کہ آپ کی رپورٹس میں نے لندن میں اپنے ایک دوست کو بھجوائی ہیں، وہ آپ کا کیس دیکھ رہا ہے۔ جیسے ہی کوئی اچھی خبر آئی میں آپ کو بتاؤں گا۔ تیار رکھیے گا خود کو۔'' اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گئے تھے۔

زارون ان کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک گومگو کیفیت میں لیٹا رہا۔ ساری رات ایک عجیب سے اضطراب اور بے چینی کی نظر ہو گئی۔

صبح ڈاکٹر فرحت معائنے کے لیے آئے تو اس نے خود انہیں مخاطب کیا۔

''آپ سے کچھ پوچھنا تھا ڈاکٹر۔'' وہ جو اس کی فائل پڑھ رہے تھے، فوراً اس کے چہرے کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جی پوچھیے!''

''کیا میں ٹھیک ہو سکتا ہوں، زندگی میں دوبارہ کبھی اپنے پاؤں پر چل سکتا ہوں؟''

''بالکل! کل بتایا تو تھا آپ کو کہ آپ کی رپورٹس لندن بھجوائی ہیں، آپ کی وائف کو بھی یہ بات

بتادی تھی کہ کچھ وقت لگے گا مگر آپ ان شاء اللہ دوبارہ اپنے پاؤں پر چل سکیں گے۔''

''واقعی؟'' اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا۔

ڈاکٹر فرحت نے اپنا سر اثبات میں ہلا کر گویا اسے زندگی دان کر دی۔ اب اسے سمجھ آرہا تھا کہ غزالہ نے اس سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ حقیقت میں وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اسے بے ساختہ ہنسی آئی اور وہ ہنستا چلا گیا۔

اب اسے دنیا اور اس کی حقیقت کو پرکھنا تھا۔ خود کو پہلے سے زیادہ مضبوط کرنا تھا۔

☆......☆......☆

محراب بے کل سی ٹیرس پر ٹہل رہی تھی جب اپنے گھر کے ٹیرس پر موجود آئرہ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ محراب کے چہرے پر اس کی پریشانی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

زارون کل صبح کا گھر سے نکلا چوبیس گھنٹوں بعد بھی گھر واپس نہیں آیا تھا اور اب غزالہ نے اپنے ایک ملازم کے ہاتھ اسے پیغام بجوا دیا تھا کہ اسے گولیاں لگی ہیں، وہ ہاسپٹل میں ہے لیکن معذور ہو چکا ہے۔ ملازم اطلاع دے کر چلا گیا تھا مگر وہ تب سے بے حد پریشان تھی۔

آئرہ کو معلوم ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے تب ہی وہ سیڑھیاں پھلانگتی اگلے پانچ منٹ کے بعد اس کے پاس موجود تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''لگ تو نہیں رہیں۔''

''ہوں، کچھ پریشانی ہے۔''

''کیا؟''

''میرے شوہر کل رات سے گھر نہیں آئے، اب ان کی دوسری وائف کے ملازم سے پتا چلا ہے کہ وہ ہاسپٹل میں ہیں، گولیاں لگی ہیں انہیں۔''

''اوہ میرے اللہ! پھر تو تمہیں ان کے پاس ہونا چاہیے تھا اس وقت۔''

''کیسے جاؤں؟ سوائے میرے شوہر کے، میرا یہاں کسی کو نہیں پتا، نہ کوئی رابطہ ہے کسی سے۔''

''اچھا، چلو میں لے چلتی ہوں، ہاسپٹل کا پتا ہے؟''

''ہوں، ایڈریس دے کر گیا ہے ملازم، ساتھ ہی یہ پیغام بھی دے گیا ہے کہ میں رکشہ کر کے چلی جاؤں مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔''

''کچھ نہ کرو، تم میرے ساتھ چلو۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' آئرہ نے اس کے ساتھ تکلف کی دیوار گرا دی تھی۔

محراب کو مجبوراً اس پر بھروسہ کرنا پڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہاسپٹل پہنچی تو زارون سو رہا تھا۔ آئرہ ڈاکٹر فرحت سے ملی اور ان سے زارون کے متعلق ساری معلومات لے کر وہ کوریڈور میں محراب کے پاس آ بیٹھی۔

''ٹانگ میں گولیاں لگی ہیں تمہارے شوہر کو، موصوف اپنی بیوی کے ساتھ کسی مال میں تھے جب کسی لڑکے نے ان کی دوسری بیوی کو چھیڑ دیا اور یہ ہیرو بن کر اس سے الجھ پڑے۔ وہ کئی لڑکے تھے پھر اسلحہ بھی تھا ان کے پاس، لڑائی لڑائی میں زخمی کر کے چلے گئے۔'' مختصر لفظوں میں اس نے ساری روداد اسے کہہ سنائی۔ محراب مضطرب سی سر جھکا کر بیٹھی رہی۔

''کیا یہ سب ڈاکٹر نے بتایا ہے تمہیں؟''

''ہوں، تمہارے شوہر کی دوسری بیوی نے ڈاکٹر فرحت کو بتایا ہے یہ سب اور تمہیں پتا ہے ڈاکٹر فرحت کون ہیں، میرے فیانسی۔'' وہ اسے بڑے عام سے انداز میں بتا رہی تھی۔ محراب نے بے حد حیرانی سے سر اٹھایا۔

''واقعی؟''

''ہوں۔'' اس کے حیران ہونے پر وہ مسکرائی۔

محراب نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

''کیا کہتے ہیں وہ زارون کی حالت کے بارے میں۔''

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''فی الحال تو کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔ چار گولیاں لگی ہیں دونوں ٹانگوں میں اسے..... ساری عمر کے لیے معذور بھی ہوسکتا ہے۔ مگر یہ بات اس سے چھپا کر رکھنا۔ اوورری ایکٹ کرسکتا ہے وہ، باقی اس کے گھر سے اطلاع کے باوجود اب تک کوئی نہیں آیا۔''

''کیوں؟'' ایک مرتبہ پھر اسے بے حد حیرانی ہوئی۔

آئرہ نے کندھے اچکا دیے۔

''پتا نہیں، یہ تو تم بھی معلوم کرسکتی ہو۔''

''ہوں، حویلی جا کر ہی ساری بات کا پتا چل سکتا ہے۔ کیا تم ابھی مجھے حویلی ڈراپ کرسکتی ہو؟''

''بالکل چلو..... تمہارا شوہر تو ویسے بھی ابھی دواؤں کے زیر اثر شام سے پہلے تک نہیں اٹھے گا۔''

''ٹھیک ہے پھر چلو۔'' اپنی شال سنبھالتی، وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ آئرہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''فرض کرو، اگر تمہارا شوہر اپنے پیروں پر نہ چل سکا تو تم کیا کرو گی؟ کیا حویلی واپس چلی جاؤ گی؟'' ڈرائیونگ کے دوران اس نے پوچھا۔

محراب اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں مسل کر رہ گئی۔

''نہیں، حویلی میں اب میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''تو پھر کہاں رہو گی، گزر بسر کیسے کرو گی؟''

''پتا نہیں، میں نے ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔

''چلو کوئی بات نہیں، پہلے حویلی سے ہو آؤ، پھر اس موضوع پر بات کریں گے۔ گاڑی حویلی کے راستے پر ڈالتے ہوئے آئرہ نے بات ختم کر دی تھی۔

محراب تمام راستے کھڑکی سے باہر خاموش بیٹھی دیکھتی رہی۔ اس کا دل عجیب وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے، کیا کرے۔

☆.....☆.....☆

http://kitaabghar.com

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ حویلی کے بڑے سے کشادہ سرخ گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ محراب اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

''آؤ، تم بھی آجاؤ۔''

''نہیں، میں یہیں گاڑی میں انتظار کروں گی۔''

''مجھے دیر ہو جائے گی۔ اتنی دیر یہاں باہر گاڑی میں بیٹھنا ٹھیک نہیں، امی سے بھی مل لینا۔ آجاؤ پلیز.....''

''چلو ٹھیک ہے پھر۔'' اس کے اصرار پر اس نے انجن بند کر کے گاڑی لاک کر دی۔

وہ دونوں اندر آئیں تو عجب سی وحشت ناک خاموشی نے ان کا استقبال کیا۔ شیشے کی مانند صاف شفاف سرخ حویلی میں سوائے پرندوں کی چہکار کے اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ محراب قدرے پریشان سی تیز قدم اٹھاتی اپنے پورشن میں آ گئی۔

مریم بیگم اپنے بستر میں دبکی تیز بخار میں جل رہی تھیں۔

وہ بے قرار ہو گئی۔

''امی.....!''

اس کی پچکار پر انہوں نے فوراً پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''محراب! میرے بچے تم کب آئیں؟'' بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کرتے وہ فوراً اٹھ بیٹھیں۔

تب ہی آئرہ نے بھی آگے آ کر ان کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی! میں آئرہ ہوں، محراب کی دوست اور پڑوسن۔'' اپنے تعارف کا مرحلہ اس نے خود ہی نمٹا لیا تھا۔

محراب کی پیشانی کا بوسہ لیتی مریم بیگم اس کی جانب متوجہ ہوتی مسکرا دیں۔

''جیتی رہو بیٹی!'' اس کی پیشانی پر بھی انہوں نے بوسہ دیا۔ آئرہ کو بے حد اچھا لگا۔

''بخار کب سے ہو گیا آپ کو؟'' محراب نے پوچھا۔

تب وہ بولیں۔

''بخار تو اکثر رہتا ہے بیٹے، پرسوں کپڑے کافی جمع ہو گئے تھے، بس جب سے وہ دھوئے ہیں، نگوڑا بخار جان نہیں چھوڑ رہا۔''

''آپ نے کیوں دھوئے کپڑے.....ملازم کہاں گئے سارے؟'' وہ حیران بھی ہوئی اور غصے بھی۔ مریم بیگم نظر چرا گئیں۔

''بس بیٹے ملازموں کو اور بھی سو کام ہوتے ہیں۔''

''بخار کی دوا لی؟''

''ہاں منگوائی تھی، اتر جاتا ہے پھر ہو جاتا ہے۔''

''کچھ کھایا بھی ہے آپ نے کہ نہیں؟''

''کھایا ہے، کھچڑی بنا کر دے گئی تھی زینب، تم کہو کیسے آنا ہوا.....زارون کہاں ہے اب؟''

''آپ کو پتا ہے زارون کا؟'' وہ حیران ہوئی۔

مریم بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں، عبدالطیف بھائی نے بتایا تھا یہاں حویلی میں سب کو۔''

''تو پھر کوئی ہسپتال کیوں نہیں گیا اس کے پاس؟'' اس نے پوچھا جب ایک ملازم وہاں چلا آیا۔

''محراب بی بی! آپ کو سردار صاحب بلا رہے ہیں۔''

اس کا دل دھڑکا۔

کن نظروں سے مریم بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اٹھی۔

''میں ابھی آتی ہوں امی! آئرہ آپ بھی امی کے پاس بیٹھیں، میں چچا جان کی بات سن کر آتی ہوں۔'' ملازم کی تقلید میں سست قدموں سے چلتی وہ سردار عبدالطیف کے پورشن میں چلی آئی۔

سردار عبدالطیف اس وقت اپنے کمرے میں صوفے پر براجمان سیب چھیل رہے تھے۔ وہ سلام کرتی پاس بیٹھ گئی۔

''آپ نے مجھے بلایا چچا جان!''

''ہاں.....زارون کے بارے میں بات کرنی تھی تم سے۔''

''جی چچا جان!''

''دیکھو محراب! میرے مرحوم بھائی کی بیٹی ہو تم، جان سے پیاری ہو مگر ایک بات اچھی طرح جان لو، لال حویلی میں زارون عبدالرحیم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، اس کا جو کردار ہے، میں اپنے بیٹے کو بھی اس کے یہاں ہونے سے محفوظ نہیں سمجھتا، نایاب اور تم پہلے ہی اس کے شیطانی دماغ کی بھینٹ چڑھ چکی ہو، اب بھی سارے زمانے میں ہمارے چہروں پر کالک ملنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اس نے تو جب تک تم اس شخص کے نکاح میں ہو، اس حویلی میں تمہارے لیے بھی کوئی جگہ نہیں، اس سے کہو فارغ کرے تمہیں تاکہ میں تمہارے سرپرست کی حیثیت سے کسی اچھے انسان کے ساتھ دوبارہ شادی کروا سکوں تمہاری..... میری بات سمجھ میں آ رہی ہے ناں تمہارے؟''

''جی چچا جان!'' اپنے سوال کا جواب اسے سردار عبدالطیف کی زبان سے مل گیا تھا۔

''شاباش، چلو جاؤ اب۔'' نہایت سفاکی سے بنا اس کے جذبات کا احساس کیے اسے اپنا فیصلہ سنا کر وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے تھے۔

محراب بے حد بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ آئی۔ وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ سردار عبدالطیف نے زارون سے اپنے بیٹے کا بدلہ لیا ہے اور اب وہ اس کی شادی ختم کر کے دوبارہ سے اس کا نکاح اپنے بیٹے سے کروانا چاہتے تھے تاکہ ان کے بیٹے کی ہر خواہش پوری ہو سکے۔

''کیا ہوا..... کیا کہہ رہے تھے سردار صاحب؟'' آئرہ نے اس کا لٹکا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔ وہ آہستہ سے نفی میں سر ہلا گئی۔

''کچھ نہیں۔''

''لیکن تمہارا چہرہ تو کوئی اور کہانی سنا رہا ہے۔'' وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ محراب مریم بیگم کے پہلو میں ٹک گئی۔

''ہمارا اس حویلی سے دانا پانی ختم ہو گیا ہے امی، اب آپ بھی وہیں رہیں گی جہاں میں رہوں گی۔'' آئرہ کو اس کے سوال کا جواب بھی مل گیا تھا۔ مریم بیگم کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میں اس حویلی کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں محراب، میری نایاب یہاں ہے، تمہارے بابا کا وجود بھی

اسی حویلی کی مٹی میں دفن ہے۔"

"جانتی ہوں امی! لیکن کیا آپ مردہ رشتوں کے لیے اپنی زندہ جاوید بیٹی کے بغیر رہ سکیں گی.....نہیں نا.....؟ اس لیے کہہ رہی ہوں اب آپ میرے ساتھ رہیں گی، بس!" مریم بیگم کے سارے جواز اس نے رد کر دیے تھے۔

آئرہ نے بھی اثبات میں سر ہلا کر اس کے فیصلے کی تائید کی۔ ابھی مریم بیگم کچھ بول بھی نہ پائی تھیں کہ بیگم عبدالرحیم وہاں چلی آئیں اور آتے ہی محراب پر چڑھ دوڑیں۔

"کالے منہ والی منحوس ڈائن! میرے بیٹے کو ڈس لیا تم نے، اس حویلی میں جو کچھ بھی برا ہو رہا ہے اس کی ذمہ دار صرف تم ہو، تمہاری وجہ سے اس حویلی کے دو مستقبل کے سردار معذوری کی زندگی گزاریں گے، خبردار اگر کبھی دوبارہ یہاں بھول کر بھی غلطی سے پیر رکھا، کچا چبا جاؤں گی میں تمہیں۔"

ان سے کچھ بعید نہیں تھا وہ واقعی اسے کچا چبا جاتیں اگر مریم بیگم بیٹی کی ڈھال نہ بن جاتیں تو.....

"بس کریں بھابھی! آپ کے بیٹے کی وجہ سے میری پاک باز بیٹی بھری جوانی میں دردناک موت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ آپ کے بیٹے کی وجہ سے میری محراب پر بدکاری کا الزام لگا اور اسے طلاق ہوئی۔ اب بھی آپ کو صرف اپنا درد دکھائی دے رہا ہے، میرا درد کوئی درد نہیں، میری بیٹی کا درد کوئی درد نہیں۔" زخمی شیرنی کی مانند دھاڑتے ہوئے انہوں نے محراب کو اپنے سینے میں دبوچ لیا تھا۔ تب ہی بیگم عبدالرحیم بولیں۔

"بس.....بس.....زیادہ چیخیں مارنے کی ضرورت نہیں، اسے کہہ دیں دفع ہو جائے یہاں سے، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"چلی جائے گی، مگر مت بھولیں کہ یہ حویلی اس کے باپ کی بھی ہے، جتنا آپ کا حق ہے اس حویلی پر، اتنا ہی میرا اور میری بیٹی کا بھی حق ہے۔" ساری زندگی مصلحت کی چادر اوڑھے چپ رہنے والی وہ عورت اپنی اولاد کے لیے چپ نہیں رہ سکی تھی۔

محراب خشک پتے کی طرح کانپتی مریم بیگم کی پشت سے چمٹی رہی۔

بیگم عبدالرحیم بک بک کرتی وہاں سے چلی گئیں تب مریم بیگم نے فیصلہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"تم صحیح کہتی ہو بیٹے! اس حویلی سے واقعی ہمارا دانا پانی ختم ہو گیا ہے۔" انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا

کہ انہیں اپنی باقی کی زندگی مردہ رشتوں کے ساتھ گزارنی ہے یا زندہ رشتے کے ساتھ.....

اور فیصلہ زندہ رشتے کے حق میں ہو گیا تھا۔

اگلے ایک گھنٹے کے بعد وہ اپنا ضروری سامان سمیٹ کر آئرہ اور محراب کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔

''کہاں چلنا ہے؟'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے آئرہ نے پوچھا تب وہ بولی۔

''گھر چلو، زارون نے ایک سال کا ایڈوانس دیا ہوا ہے، ایک سال پورا ہو جائے گا تو سوچوں گی مجھے کہاں جانا ہے۔''

''تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارا شوہر خیریت سے گھر آ جائے اس کے بعد میں تمہاری جاب کا بندوبست کر دوں گی۔''

''کیسی جاب؟ میں زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہوں۔''

''کوئی بات نہیں، میرے پاپا کے بہت عزیز دوست ہیں۔ انہیں ایک بہت اچھی کھانا پکانے والی شیف کی ضرورت ہے، جو محنتی اور ایمان دار ہو، وائف نہیں ہے ان کی، بس صرف ایک بیٹا ہے جو اب تک باہر رہا ہے مگر اب شاید پاکستان آ جائے کیونکہ انکل اب بیمار رہنے لگے ہیں۔ روز آفس نہیں جا سکتے تو شاید ان کا بیٹا ان کی جگہ آفس سنبھالے۔ وہ تھوڑا نخریلا اور کھڑوس ہے۔ اسی لیے انکل چاہتے ہیں کوئی اچھی صاف ستھری محنتی شیف انہیں مل جائے تاکہ ان کا بیٹا کھانے کے لیے کوئی ڈرامہ نہ لگا سکے۔ خواتین کی عزت کرتا ہے وہ، میل شیف کو ٹکنے نہیں دیتا۔'' آئرہ نے اسے ساری بات تفصیل سے سمجھائی۔

محراب اپنے آنسو پیتی فی الحال اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ آئرہ نے گاڑی اسٹارٹ کر لی تھی۔

زندگی ایک اور نئے سفر کی طرف رواں دواں ہو گئی تھی۔

❁ ❁

ناول **وہ جو عشق تھا** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **5** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

http://kitaabghar.com

قسط نمبر 4

خود اپنی آگ میں جلتا کہاں سے
پرائی آگ میں جلتا رہا میں
میری تو جیت بھی ہار ہی تھی
خود اپنے آپ سے لڑتا رہا میں

کیوں رات کی ریت پہ بکھرے ہوئے
تاروں کے کنکر چنتی ہو
کیوں سناٹے کی سلوٹ میں
لپٹی آوازیں سنتی ہو
کیوں اپنی پیاسی پلکوں کی جھالر میں خواب پروتی ہو
اب کون تمہاری آنکھوں میں
صدیوں کی نیند انڈیلے گا
اب کون تمہاری چاہت کی
ہریالی میں کھیلے گا
اب کون تمہاری تنہائی کا ان دیکھا دکھ جھیلے گا
اب ایسا ہے

یہ رات مسلط ہے جب تک
یہ شمعیں جب تک جلتی ہیں
یہ سانسیں جب تک چلتی ہیں
تم اپنی شوخ کے جنگل میں
راہ بھٹکو اور پھر کھو جاؤ
''اب سو جاؤ''

☆......☆......☆

''گرین پیلس'' کے سامنے آکر گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔
محراب نے اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کے لیے ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ آئرہ نے پوچھا۔
''ہاسپٹل کب تک چلنا ہے؟''
''تھوڑی دیر ریسٹ کر کے نکلتی ہوں۔''
''او کے جب بھی جانا ہوا مجھے کال کر لینا، میں آ جاؤں گی، میرا نمبر نوٹ کر لو۔''
''نہیں، میں خود چلی جاؤں گی، بہت شکریہ آپ کا آپ نے اتنا ساتھ دیا۔''
''کوئی بات نہیں، مجھے اچھا لگتا ہے ہمیشہ مشکل میں دوسروں کا ساتھ دینا۔ تمہارے لیے تو اب دوستی والی فیلنگز آ رہی ہیں مجھے، چلو نمبر سیو کرو شاباش!''
''میرے پاس موبائل نہیں ہے۔''
''واٹ......نہ کرو یار!'' محراب کے دھیمے لہجے پر وہ بے ساختگی میں چلائی۔
''سچ کہہ رہی ہوں، ہمارے ہاں لڑکیوں کے پاس موبائل کا تصور بھی نہیں ہے۔''
''کیوں؟ اب تو بہت فاسٹ دور جا رہا ہے یار!''
''جتنا بھی فاسٹ دور چلا جائے، ہمارے گھرانوں کی روایات پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔''
''چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں، اس کا حل بھی جلد ہی نکال لیں گے۔ اب فی الحال آنٹی کو لے کر

http://kitaabghar.com facebook.com/kitaabghar

چلو، شاید انہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

محراب اثبات میں سر ہلاتی گاڑی سے اتر گئی۔

مریم بیگم اب تک خاموش تماشائی بنی گاڑی میں یوں بیٹھی تھیں جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو۔ محراب نے ان کی جانب کا دروازہ کھول کر انہیں گاڑی سے اترنے میں مدد دی۔

''چلیں امی!'' پہلی بار اسے اس دیو ہیکل بنگلے میں داخل ہونے سے خوف نہیں آ رہا تھا۔

مریم بیگم اس کی ہدایت پر چپ چاپ آگے بڑھ گئیں۔

اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ ان کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

''کیا ہوا، اداس ہیں؟'' انہیں تنہا سوچوں میں گم بیٹھا دیکھ کر وہ بولی۔

مریم بیگم نے آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہلکے سے اس کا گال چھوا۔

''نہیں بیٹا!''

''جھوٹ مت بولیں..... میں سب جانتی ہوں، آپ کے لیے ابو اور نایاب کو پیچھے چھوڑ کر آنا آسان نہیں تھا۔''

''ہاں..... مگر تمہیں چھوڑ دینا بھی آسان نہیں تھا۔''

''ہم ایک دوسرے کے ساتھ یہاں خوش رہیں گے امی۔''

''ہوں.....!''

محراب کے ہاتھ تھامنے پر وہ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

''چلیں اب آپ کچھ دیر آرام کر لیں..... میں آئرہ سے کہہ دیتی ہوں میری غیر موجودگی میں وہ آپ کے پاس آ جائے گی۔''

''تم کہیں جا رہی ہو کیا؟''

''مجھے ہاسپٹل جانا ہے امی۔''

''اس وقت ہاسپٹل کیوں جا رہی ہو؟''

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

''زارون کے لیے...... اسے اس وقت میری ضرورت ہے۔''

''نہیں......کوئی ضرورت نہیں ہے اسے تمہاری...... وہ نایاب کا قاتل ہے، تمہاری خوشیوں کا قاتل ہے، جو بھی اس کے ساتھ ہوا ہے، اس کی اپنی غلط حرکتوں کی سزا ہے۔ تمہیں اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔'' مریم بیگم کو اس وقت اس کا زارون کے پاس ہسپتال جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

''نہیں امی! یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے...... بہت بری حالت ہے زارون کی، اس حال میں اگر میں بھی اس جیسی بے حس بن جاؤں گی تو میرے اور اس کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا؟'' محراب نے امی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتی...... وہ لڑکا اب تمہارے قابل نہیں ہے۔''

''پہلے بھی نہیں تھا، مگر میں اس کے ساتھ رہ رہی تھی، اب تو حاکم بھی نہیں رہا اور پھر سب سے بڑی بات جس مذہب کی میں پیروکار ہوں ناں امی...... اس مذہب میں انسانیت اور خصوصی طور پر شوہر کے مقام کا درس بہت واضح دیا گیا ہے۔ اللہ کے بعد اگر کسی کو سجدے کا حکم ہوتا تو بیویاں اپنے شوہروں کو سجدہ کرتیں، میں اسے سجدہ نہیں کر رہی، صرف اس کی مدد کر رہی ہوں۔ کیا آپ نے یہ سب نہیں سکھایا ہمیں؟'' محراب نے امی کو قائل کرنا چاہا۔

مریم بیگم اس بار خاموش رہیں۔ ان کی بیٹی اپنا فرض نبھا رہی تھی جس سے وہ اسے باز نہیں رکھ سکتی تھیں۔

بالآخر وہ امی کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور ان کی اجازت سے انہیں تسلی دے کر نکلی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر وقت دیکھتے ہوئے اس نے پاس سے گزرتا رکشہ روکا اور ہسپتال کے لیے روانہ ہوگئی۔

جس وقت وہ ہسپتال پہنچی آسمان کالے سیاہ بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ رکشے والے کو مطلوبہ کرایہ دے کر وہ قدرے تیز قدموں سے چلتی جوں ہی زارون کے کمرے کے باہر پہنچی تو اندر سے آتی زارون کے بڑے بھائی کی تیز آواز نے اس کے قدم وہیں جکڑ لیے تھے۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''خاک ڈال دی ہے تم نے ہمارے سروں میں...... کس منہ سے آتے یہاں تمہارا حال پوچھنے، سارے علاقے کے سردار ناراض ہوئے بیٹھے ہیں تمہاری حرکتوں پر۔ ان سب نے تم سے قطع تعلق کی وارننگ دے دی ہے۔ اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے تم سے کہا تھا کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے کہیں چلے جاؤ اور جب تک یہاں ہو، احتیاط سے کام لو، مگر نہیں...... تمہیں تو عادت ہے ناں رنگ برنگی تتلیوں کے ساتھ ادھر ادھر جھک مارنے کی...... اب دیکھ لیا ناں اس لاپروائی کا نتیجہ...... پڑے رہنا ساری زندگی اس بستر پر لاوارثوں کی طرح، کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہارے زخموں پر پھاہے رکھے۔''

اس لمحے محراب کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

''بس یہی سب کہنے آئے تھے یہاں؟'' زارون عبدالرحیم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں، جوتے مارنے آیا تھا تمہیں مگر فی الحال تمہاری حالت ایسی نہیں ہے اس لیے زبانی کلامی ڈانٹ سے کام لے رہا ہوں۔ وہ الو کی پٹھی جو بھی ہے، ابھی کے ابھی فارغ کرو اسے پھر تمہارے بارے میں سوچتے ہیں کیا کرنا ہے۔''

''آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں بھائی...... وہ لڑکی اب خود ہی مجھ سے جان چھڑا رہی ہے۔''

''چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تم بھی اس سے اپنی جان چھڑا لو۔'' لیکن اس بار زارون نے بھائی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

باہر دروازے کے قریب کھڑی محراب خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے، اب چلتا ہوں میں، کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔''

تب ہی محراب کے وجود میں قدم آگے بڑھانے کی جرأت پیدا ہوئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس کے سلام پر زارون اور لالہ دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟'' اس کے سر پر بھاری ہاتھ رکھتے ہوئے لالہ نے اس کی خیریت دریافت کی۔ محراب سر جھکائے کھڑی رہی۔

''میں ٹھیک ہوں لالہ! آپ کیسے ہیں؟''

''کرم ہے اللہ پاک کا.....ایسا ہے کہ مجھے ابھی ضروری کام ہے۔ میں چلتا ہوں، تم زارون کا خیال رکھو، ابھی یہ جس حال میں ہے، اسے تمہاری ضرورت ہے۔ جو بھی اس نے تمہارے ساتھ کیا، اسے بھول جاؤ۔ بس اتنا یاد رکھو کہ یہ تمہارا شوہر ہے، تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے، اس کا ساتھ دینا ہے۔ میں تم سے رابطے میں رہوں گا، اور ہاں تمہیں اس وقت بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''جی لالہ.....!'' لالہ کی لمبی چوڑی ہدایت کے جواب میں وہ محض یہی کہہ سکتی تھی۔ جواب میں وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔

محراب نے دیکھا زارون کا چہرہ کافی پیلا اور بے رونق سا ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک بھی ماند پڑ گئی تھی۔ شاید اس کا بہت زیادہ خون بہا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' بستر پر اس کے پاؤں کی طرف بیٹھتے ہوئے اس نے زارون سے نظر ملائی مگر وہ نظر چرا گیا۔

''ٹھیک ہوں، بڑی جلدی آ گئیں تم۔''

اس کے یوں طنزیہ انداز میں شکوہ کرنے پر وہ مسکرا دی۔

''صبح آئی تھی مگر تم دواؤں کے زیر اثر سو رہے تھے۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟'' سوال ایسا تھا کہ چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بول سکی۔

''غزالہ آئی تھی؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

محراب کا سر نفی میں ہل گیا۔

''نہیں، ملازم کو بھیجا تھا اس نے، اسی سے پتا چلا۔''

''تمہیں تو خوشی ہو رہی ہو گی تمہاری بددعائیں رنگ لے آئیں۔'' جانے وہ اس کے اندر سے کیا کھوجنا چاہ رہا تھا۔ محراب کی نظر پھر اس کی نظروں سے الجھ گئی۔

''تمہاری طرح خود غرض اور دوسروں کا برا چاہنے والی نہیں ہوں میں۔''

''اچھا.....پھر کیا میری ہمدردی میں یہاں آئی ہو؟''

http://kitaabghar.com

''نہیں، میری نظر میں تم کسی ہمدردی کے لائق نہیں ہو۔''

''تمہاری نظر میں تو میں محبت کے لائق بھی نہیں ہوں۔''

''جی ہاں!''

''پھر کس لائق ہوں میں؟''

''اللہ بہتر جانتا ہے، جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے۔''

''اوہ! یعنی میں نے جو عباد کے ساتھ کیا، اسی کی سزا ہے یہ۔''

''جی ہاں!''

''پھر اب کیا کروں، جا کر معافی مانگوں اس سے؟''

''مانگنی تو چاہیے۔''

''شٹ اپ!'' اسے غصہ آیا تو محراب رخ پھیر گئی۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹر کب تک فارغ کریں گے تمہیں؟''

''کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' عباد کے ذکر پر اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ محراب خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''کوئی وجہ نہیں، ویسے ہی پوچھا۔''

''ابھی چار پانچ دن لگیں گے۔ تم چاہو تو یہیں رک سکتی ہو، اکیلی نہیں رہ سکتیں تم وہاں۔''

''اکیلی نہیں ہوں، امی ساتھ ہیں میرے۔''

''وہ کب آئیں؟''

''آج صبح ہی لائی ہوں، لال حویلی میں اب ان کی اور میری کوئی جگہ نہیں رہی۔''

''کیوں؟''

''چچا جان نے منع کر دیا ہے جب تک تمہارے نکاح میں ہوں، میرا حویلی میں داخلہ بند ہے۔''

''چلو اچھی بات ہے۔ میرے بغیر تم نے ادھر جا کر کرنا بھی کیا ہے، اب تو چچی بھی نہیں ہیں وہاں۔''

http://kitaabghar.com

''ہاں مگر میرے بابا اور بہن کی قبریں ہیں وہاں۔''

''تو کیا ہوا، قبروں کے ساتھ زندگی بسر نہیں ہوتی۔''

''تم کتنے بے حس انسان ہو زارون عبدالرحیم۔''

''بس ایسا ہی ہوں میں۔'' محراب کے دکھ کو اس نے ہوا میں اڑا دیا۔

وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''آہ..... چچی کے ساتھ گھر رہو گی تو یہاں میری دیکھ بھال کون کرے گا؟'' وہ اب بھی اپنا ہی سوچ رہا تھا۔

محراب جو سارے راستے یہ سوچتی آئی تھی کہ وہ اندر سے ٹوٹ چکا ہوگا، غم زدہ ہوگا..... اس کا سامنا نہیں کر سکے گا تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس حادثے نے زارون کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔

''پتا نہیں.....''

''کیا مطلب پتا نہیں..... میں شوہر ہوں تمہارا، میرا حق ہے تم پر۔''

''تو کیا کروں، اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ دوں؟ تم اپنے پاس اپنی دوسری بیوی کو کیوں نہیں بلا لیتے، ویسے بھی تمہارے ساتھ اسی کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اس کی وجہ سے نہیں، تمہاری وجہ سے، نہ تم عباد عبداللطیف کو گھر بلاتیں، نہ مجھے غصہ آتا، نہ یہ سب ہوتا۔''

''میں نے گھر نہیں بلایا تھا اسے۔''

''اچھا..... پھر اسے الہام ہوا تھا کہ تمہیں وہاں رکھا ہوا ہے میں نے.....'' زارون نے غصہ سے کہا۔

''یہ تم اسی سے پوچھنا۔''

''اس سے پوچھنے کا تو بدلہ لیا ہے چچا نے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئی۔

''چھوڑو مطلب کو، تمہیں کیا لینا ہے کسی مطلب سے۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

محراب نے کوئی جواب نہیں دیا۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔
''لالہ کیا کہہ رہے تھے؟''
''کچھ نہیں۔''
''کیا تمہاری دشمنی تھی کسی کے ساتھ؟''
''ہاں..... محراب عبدالکریم کے ساتھ۔'' محراب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
''تم ساری زندگی نہیں سدھر سکتے، کبھی بھی نہیں۔''
''سدھر کے کرنا بھی کیا ہے، تمہاری نظروں میں تو ہمیشہ برا ہی رہوں گا میں۔''
''تمہیں فرق پڑتا ہے اس بات سے کہ میری نظروں میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟''
''نہیں۔'' بے حد ڈھٹائی سے اس نے کہا تو وہ کلس کر رہ گئی۔
''تو پھر میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔''
''تمہیں کس نے کہا میں تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔'' وہ لطف اندوز ہوتا اسے چڑا رہا تھا۔
محراب اسے گھور کر رہ گئی۔
''چلو کروٹ بدلاؤ مجھے، ایک ہی سائیڈ پر لیٹے لیٹے تھک گیا ہوں۔'' اس نے حکمیہ انداز میں کہا۔
''نرس کو بلا کر لاتی ہوں۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔
''کیوں تمہیں کیا مسئلہ ہے؟''
''کوئی مسئلہ نہیں، ابھی نیا نیا زخم ہے، احتیاط بہتر ہے۔'' سہولت سے کہتی وہ کمرے سے نکل گئی۔
تقریباً پانچ منٹ بعد نرس نے اسے کروٹ بدلا دی۔ ساتھ ہی نیند کا انجیکشن بھی دے دیا۔ وہ سو گیا تو محراب ڈاکٹر سے مل کر گھر آ گئی۔
مریم بیگم سو رہی تھیں۔ محراب نے ان کی نیند خراب کرنا مناسب نہ سمجھا اور رات کے کھانے کی

تیاری میں مصروف ہوگئی۔ابھی آٹا گوندھ کر رکھا ہی تھا کہ آئرہ چلی آئی۔

''السلام علیکم!''بلند آواز میں سلام کرتے ہوئے وہ کچن میں ہی آ گئی۔

محراب نے آٹا ڈھانپتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا پھر اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آٹا فریج میں رکھ دیا۔

''کیسی ہو؟ ہاسپٹل نہیں جانا؟''آئرہ نے پوچھا لیکن وہ جواب دینے کے بجائے مسکرا دی۔

''ٹھیک ہوں اور ہسپتال سے ہو کر بھی آئی ہوں۔''

''واقعی؟''

''جی ہاں......''

''کمال کر دیا یار، بتایا ہی نہیں۔''

''کیسے بتاتی، موبائل نہیں ہے میرے پاس، بتایا تھا تمہیں......اسی لیے رکشہ لے کر چلی گئی تھی۔''

''ہوں......کیسی طبیعت ہے اب تمہارے شوہر کی؟''

''پہلے سے بہتر ہے۔''

''اس وقت کون ہے اس کے پاس؟''

''کوئی بھی نہیں۔''

''کیوں؟''فریج سے سیب نکال کر صاف کرتے ہوئے وہ حیران ہوئی جب محراب نے بتایا۔

''گھر والے ناراض ہیں اس سے۔''

''اور اس کی دوسری بیوی؟''

''وہ بھی چھوڑ رہی ہے اسے۔''

''تمہیں کیسے پتا؟''

''اپنے بھائی کو بتا رہا تھا وہ۔''

''ظاہر سی بات ہے، اب وہ کیوں رہے گی اس کے ساتھ، وہ اب اس کے کسی کام جوگا جو نہیں رہا۔''

سیب کا بڑا سا ٹکڑا دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس نے کہا۔ محراب رخ پھیر گئی، تب ہی وہ بولی۔

''بہر حال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فرحت نے تمہارے شوہر کی رپورٹس باہر بھجوائی ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا کرو کوئی مثبت جواب آئے۔ ان شاء اللہ تمہارا شوہر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' بے ساختہ اس نے کہا تو آئرہ مسکرائی۔

''رات میں اسے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''ہاں..... مگر میں امی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔''

''تم امی کی فکر مت کرو، میں ہوں ناں، میں ان کا خیال رکھ سکتی ہوں۔''

''تمہارے گھر والے اعتراض کریں گے۔''

''نہیں، کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ میں آنٹی کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ صبح جب تم واپس آؤ تو لے آنا ساتھ۔'' اس نے مسئلے کا حل نکالا۔ محراب اس کی اس درجہ محبت پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

رات کا کھانا اس نے وقت سے پہلے ہی تیار کر لیا تھا۔ مریم بیگم سو کر اٹھیں تو اس نے کھانا لگا دیا۔ اسے بھوک نہیں تھی مگر پھر بھی صرف مریم بیگم کی خاطر اس نے ان کا ساتھ دیا۔ کھانے کے برتن سمیٹ کر وہ مریم بیگم کو بتا کر ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئی تھی۔

آئرہ نے اسے ڈرائیور کے ساتھ گاڑی کی آفر کی مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ جب ہسپتال پہنچی تو زارون جاگ رہا تھا۔ اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اس نے خفگی سے رخ پھیر لیا۔

''السلام علیکم!'' محراب نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا لیکن زارون نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''پتا نہیں۔''

''کیوں..... کیا ہوا، کوئی آیا تھا کیا؟''

''تم سے مطلب؟ کوئی آئے، کوئی جائے یا میں اکیلا یہاں پڑا بے بسی سے سڑتا رہوں۔ تم کون ہوتی ہو پوچھنے والی؟'' اس نے خفگی سے کہا۔

محراب کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''سوتا چھوڑ کر گئی تھی تمہیں۔ امی اکیلی تھیں، ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ رات کا کھانا پکانا تھا۔ تمہارے لیے بھی لائی ہوں۔'' وہ اسے وضاحت دینے کی عادی نہیں تھی مگر وہ لمحہ ایسا تھا کہ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اسے تکلیف میں نہ رکھ سکی۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھائی رہی پھر وہ بولا۔

''تم کب جان چھڑا رہی ہو مجھ سے؟'' محراب کو اس سے اس قسم کے سوال کی توقع نہیں تھی تب ہی اس نے قدرے چونک کر دیکھا۔

''تم جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں؟''

وہ چپ رہا مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس وقت اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ اور اداس تھا۔ تب ہی اسے ایک نظر دیکھ کر اس نے سوپ والا باؤل اٹھا لیا۔

''چلو اٹھ کر بیٹھو! تھوڑا سوپ پی لو، طبیعت بحال ہو جائے گی۔''

''میرا موڈ نہیں ہے۔''

''پیٹ بھرنے کے لیے موڈ کی نہیں، بھوک کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بھوک بھی نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔''

''اس طرح تو تم کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتے۔''

''کس طرح؟''

''یوں خود کو بھوکا اور پریشان رکھ کر۔''

''تو کیا کروں جب خواہش ہی نہیں ہے۔''

''تھوڑا سا سوپ پی لو، تمہیں اچھا لگے گا۔'' محراب نے کہا، اور ساتھ ہی ایک چمچ لے کر اسے منہ کے قریب کر دیا۔

زارون اس بار اسے منع نہیں کر سکا۔

''کیا بہت پیار کرتے ہو اس لڑکی سے؟'' سوپ پلانے کے دوران اس نے پوچھا تو وہ چونکا۔

''کس لڑکی سے؟''

''وہی جس کی محبت میں اس حال کو پہنچے ہو۔'' جانے وہ اس کے اندر سے کیا کھوجنا چاہ رہی تھی۔ زارون کی نظریں اس کے شاداب چہرے پر جم گئیں۔

''ہاں بہت پیار کرتا ہوں۔''

''کیا فائدہ..... وہ تو چھوڑ گئی تمہیں۔ اب تم جلو، کڑھو، بھوکے رہو، اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''تمہیں فرق پڑتا ہے؟'' اس کے دیکھنے کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''ہاں مجھے تو پڑتا ہے، شدید نفرت کے باوجود اس حال میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تمہیں۔''

''کیوں؟''

''بس ضمیر اجازت نہیں دیتا۔''

''دل تو چاہتا ہوگا بدلہ لینے کا؟''

''ہاں چاہتا ہے، مگر بدلے کی آگ پر اللہ کا خوف غالب آجاتا ہے۔''

وہ ذہین تھا مگر محراب ہمیشہ اپنے لفظوں سے اسے لاجواب کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ چند لمحے پھر خاموشی کی نذر ہو گئے پھر وہ بولا۔

''تم چاہو تو میں اب تمہیں آزاد کر سکتا ہوں۔''

''کیوں؟'' محراب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

زارون نے کوئی جواب دینے کے بجائے لمبی سرد آہ بھر کر رخ پھیر لیا۔

''تمہارے قابل جو نہیں رہا ہوں اب۔''

''قابل تو پہلے بھی نہیں تھے۔''

''پہلے کی بات اور تھی، اب تو تمہاری حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔''

''ہوں..... صحیح کہا تم نے، مگر میں اب آزاد ہو کر جاؤں گی کہاں؟ کوئی در، کوئی راستہ کھلا چھوڑا ہے تم نے میرے لیے..... میں تو سانس بھی نہیں لے سکتی، کھل کر جینا تو بہت دور کی بات ہے۔''

''پھر اب.....؟''

''کچھ نہیں..... بس اپنی پروا کرو، ایک معمولی سے حادثے کی وجہ سے تمہیں انسان بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس کے لفظوں میں کڑواہٹ تھی۔ زارون اسے دیکھتا رہ گیا۔

اگلے دو روز کے بعد اسے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا تو محراب نے سکھ کی سانس لی۔

غزالہ نے عدالت میں خلع کے لیے کیس دائر کر دیا تھا۔ زارون کو خبر ہوئی تو وہ دیر تک ہنستا رہا۔

محراب اس کے کمرے کی صفائی کے لیے آئی تو اس نے اسے اپنے قریب بلاتے ہوئے کہا۔

''بات سنو.....!''

صفائی کرتے محراب کے ہاتھ رک گئے اور وہ اس کے قریب آ کر بولی۔

''ہوں کہو!''

''اگر میں کبھی ٹھیک نہ ہو سکا تو تم کیا کرو گی؟''

''وہی کروں گی جو اب کر رہی ہوں۔'' اس نے دو بدو جواب دیا۔

وہ مسکرا دیا۔

''سوچ لو، بہت مشکل سفر ہے۔''

''پہلے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔''

''وہ کیوں؟''

''پہلے ہر وقت اعصاب پر سوار رہتے تھے، اب چلو سکون سے ایک ہی کمرے میں تو ٹکے رہتے ہو۔'' اس کا جواب ایسا تھا کہ وہ کھل کر ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔

''اچھا بات سنو۔''

وہ ابھی پلٹی ہی تھی کہ اس نے پھر پکارا۔

''اب کیا ہے؟''

''اچھی لگ رہی ہو، بلیک کلر کافی اٹھتا ہے تم پر۔''

''شکریہ۔''

''آج سر میں بہت درد ہے، دبا دو گی؟''

''اتنا بولتے ہو، گلے میں درد نہیں ہوتا؟''

''نہیں، لیکن اگر تم دبانے کی خواہش رکھتی ہو تو تمہیں اجازت ہے۔'' وہ کب ہار ماننے والا تھا۔

محراب اسے گھورتی ہوئی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس رات بہت ٹھنڈ تھی۔ محراب کی اچانک آنکھ کھل گئی تھی۔

کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں اس نے زارون کو دیکھا جو جانے کب سے بستر سے خود اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش میں نڈھال ہو رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھی۔

''کیا بات ہے، کہیں جانا ہے؟'' دوپٹے سے بے نیاز قدرے پریشانی سے اس نے پوچھا۔

''ہاں، باہر لان میں جانا چاہ رہا تھا، یہاں کمرے میں دم گھٹ رہا ہے۔'' زارون نے کہا۔

''اس وقت.....؟'' محراب کی نگاہیں کلاک کی جانب اٹھیں۔

''ہاں.....''

''چلو، میں لے چلتی ہوں۔'' سرہانے پڑا دوپٹا اٹھا کر سر پر اوڑھتے ہوئے وہ اس کی وہیل چیئر چلاتے ہوئے لان میں لے آئی۔ محراب نے اس کی کسرتی کمر کے گرد بازو ڈال کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔ ساتھ والے کمرے میں مریم بیگم تہجد پڑھ کر سو رہی تھیں۔ دونوں کمروں کے درمیان ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو کھلا رہتا تھا۔

زارون کو وہیل چیئر پر بٹھانے کے بعد وہ لان میں آئی تو تازہ ہوا کے سرد جھونکوں نے اسے بے ساختہ کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''صبح ہاسپٹل جانا ہے چیک اپ کے لیے۔''

''ہوں.....!''

''آئرہ بتا رہی تھی تمہاری بیوی نے خلع کے لیے عدالت میں کیس کر دیا ہے۔''

''اسے کس نے بتایا؟''

''پتا نہیں، شاید نیوز وغیرہ میں سنا ہوگا۔''

''ہوں.....!''

''کیا اسی کی پریشانی ستا رہی ہے اس وقت؟''

''کس کی؟'' پل میں وہ یوں انجان بن جاتا تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔

محراب پنجوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''وہی جو خلع کا مطالبہ کر رہی ہے۔''

''نہیں.....!''

''پھر؟'' وہ جاننے پر بضد ہوئی۔

زارون نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر جمائیں۔

''نایاب آئی تھی خواب میں، بہت رو رہی تھی۔''

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رات کے اس پہر وہ نایاب کے لیے پریشان ہوگا۔

''پچھلے چند روز سے وہ مسلسل خواب میں آ رہی ہے، میں بہت زیادہ گلٹ محسوس کر رہا ہوں۔ سچ کہوں تو بہت پچھتاوا ہے، کبھی کبھی خود سے گھن آنے لگتی ہے۔ میرا بالکل بھی ارادہ نہیں تھا اس کی موت پلان کرنے کا، مگر صورت حال ہی ایسی بن گئی تھی کہ خود کو بچانے کے لیے اسے موت کے گھاٹ اتارنا پڑا۔'' زارون نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ ایسا کیا ہو گیا تھا کہ جسے چھپانے کے لیے اتنا گر گئے تم؟" وہ ہرٹ ہوئی۔

زارون نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"بہت کچھ ہو گیا تھا۔ ضمیر مردہ ہو تو انسان شیطان کا بھی باپ بن جاتا ہے۔ میرا ضمیر بھی مردہ تھا، اپنی دولت اور مردانگی کے زعم میں کوئی گناہ، گناہ نہیں لگتا تھا مجھے۔ نایاب کے دل میں میرے لیے کیا تھا، مجھے یہ بھی نہیں پتا تھا۔

پتا ہوتا بھی کیسے...... میں تو شروع سے صرف تمہارے بارے میں سوچتا تھا، میری نظر میں اس تعلق کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی جو بڑوں نے میرے اور نایاب کے درمیان باندھ دیا تھا، اسی لیے یونیورسٹی میں جو لڑکی اچھی لگتی اسی کے پیچھے لگ جاتا تھا۔ آدھی سے زیادہ یونیورسٹی کی لڑکیاں خود میرے پیچھے تھیں۔ غزالہ کا شمار بھی ان ہی لڑکیوں میں تھا۔ نایاب روز یہ سب دیکھتی اور برداشت کرتی مگر مجھے پروا نہیں تھے۔ مجھے اس کی کسی بھی تکلیف کی پروا نہیں تھی۔ یونیورسٹی میں شروع کے دنوں میں وہ پریشان رہتی، مگر میں نے اس کی مدد نہیں کی۔ غزالہ کے کزن نے ایک روز سب کے سامنے اس کی بے حد بے عزتی کی مگر میں نے اس کا منہ توڑنے کے بجائے سب کے سامنے اس کا تماشا دیکھا، ہمیشہ اپنے رویے سے اس کا دل توڑا، اس پر الزام لگائے، اپنی ہر عیاشی کا ملبہ بھی اس پر ڈال دیا صرف اس لیے کہ میں مرد تھا، مجھے ہر گناہ کی اجازت تھی۔ وہ عورت تھی اور میری نظر میں اسے یونیورسٹی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

رات کے اس پہر اس کے چہرے پر جو درد رقم تھا محراب نے اس سے پہلے وہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی اور وہ بولتا رہا۔

"غزالہ کے ساتھ میرے غلط تعلقات کی ساری یونیورسٹی گواہ تھی۔ اس کے باوجود اس روز جب نایاب نے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر حویلی میں سب کو بتانے کی دھمکی دی تو میں اس کی یہ جرأت برداشت نہیں کر سکا۔ غرور و تکبر نے مت ماردی تھی۔ اسی لیے وہ جیسے ہی چھٹی پر حویلی آئی، میں نے یہ معاملہ غزالہ کے سامنے رکھا اور غزالہ نے بھی مجھے یہ راہ دکھائی کہ ہمیشہ کی طرح میں اپنا گناہ اس پر ڈال دوں۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے کزن کو راضی کیا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ حویلی میں

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

میرے بارے میں کسی کو کچھ بتاتی، میں نے اور غزالہ نے اس کے کزن اور اپنے دوست صائم کو حویلی بلا لیا۔ نایاب جاگ رہی تھی..... حویلی کی اونچی دیواروں اور خونخوار کتوں سے میں ہی اسے بچا کر نایاب کے کمرے تک لایا تھا۔ میں نے ہی نایاب کے کمرے کی نشاندہی کی تھی، سارا پلان میرا تھا اور ویسے ہی کامیاب رہا جیسے میں نے سوچا تھا۔ حویلی کے بزرگوں کی آنکھوں پر غصے کے طوفان نے پٹی باندھ دی تھی۔ اس وقت وہی دیکھا گیا جو میں انہیں دکھانا چاہتا تھا، وہی سنا گیا جو میں سنانا چاہتا تھا۔ راتوں رات اس کی موت کے فیصلے پر عمل درآمد ہوا اور اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا ایک موقع بھی نہیں ملا۔ میں تھک گیا ہوں یہ سب سوچ سوچ کر..... میں ذلت کے گڑھے میں گر گیا ہوں محراب..... مجھے اس کی بددعا لگ گئی۔"

وہ اب آزردہ تھا جب اسے دنیا سے گئے بھی مہینوں ہو گئے تھے۔

محراب کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔

نایاب کے ساتھ ہوئے ظلم کی کہانی نے اس کے زخم جیسے پھر سے ہرے کر دیے تھے۔ وہ اٹھی اور نفرت سے بھرپور ایک نگاہ اس کے مفلوج وجود پر ڈالتے ہوئے اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

زارون اس کی نفرت بھری نگاہ پر کرب سے لب بھینچتا شدت سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔

ایک درد پچھتاوے کی صورت دل کے اندر سر اٹھا رہا تھا تو ایک درد نے محبت کی تکلیف کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے باہر کے مکمل وجود کا گھیراؤ کر لیا تھا۔

اب وہ کہاں جاتا؟

سانس تنگ ہو رہی تھی، گھٹن بڑھتی جا رہی تھی، مگر اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز اس کا چیک اپ تھا مگر وہ اس کے ساتھ ہسپتال نہیں گئی بلکہ اسے آئرہ کے ساتھ ہسپتال بھجوا دیا۔

زارون کے آپریشن اور علاج پر اچھا خاصا خرچہ آیا تھا۔ تمام روپیہ محراب نے اس کے اے ٹی ایم سے ادا کیا، اب بھی وہ اس کے اے ٹی ایم سے ہی سارا خرچ کر رہی تھی مگر کب تک؟

زارون کے بھائیوں اور دوستوں نے اس کی طرف سے مکمل آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اتنے دنوں میں کوئی خیریت پوچھنے بھی نہیں آیا تھا، خرچہ اٹھانا تو بہت دور کی بات تھی۔ اسی پریشانی میں الجھی، وہ گھر پر بھی مختلف کاموں میں مصروف اس کی گھر واپسی کا انتظار کرتی رہی۔

شام ڈھل چکی تھی جب وہ آئرہ کے ساتھ واپس آیا تھا۔ بجھا بجھا سا، اداس، بے رونق چہرہ..... زندگی سے بے زار خوب صورت آنکھیں.....

محراب نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' زارون کو مکمل نظر انداز کر کے اس نے آئرہ سے پوچھا۔ جواب میں وہ اپنی وہیل چیئر گھسیٹتا وہاں سے چلا گیا۔

''کچھ نہیں..... پہلے سے بہتر ہیں تمہارے شوہر اور وہ جو رپورٹس باہر بھجوائی تھیں ناں ان کا بھی مثبت جواب آیا ہے۔''

''چلو اچھی بات ہے، دوبارہ کب چیک اپ کروانا ہے؟''

''اگلے ہفتے.....''

''ٹھیک ہے۔''

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''کس بات کی؟''

''تمہارے شوہر کی رپورٹس اچھی آئی ہیں یار! اس کا باہر علاج ہو سکتا ہے اور وہ اپنے پاؤں پر پھر سے چل سکتا ہے۔''

''ہوں..... بات تو خوشی کی ہے مگر میرا دل خوش نہیں ہے۔ وہ جیے یا مرے، میری بلا سے۔''

''ایسا کیوں؟'' آئرہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''وہ میری بہن کا قاتل ہے اس لیے۔'' محراب نے اسے بتایا۔

''وہاٹ.....؟'' آئرہ کو شاک لگا۔

محراب نے مختصر لفظوں میں اس کے ظلم کی مکمل کہانی اس کے گوش گزار کر دی۔

''یہ تو بہت برا ہوا یار.....ایسے کون کرتا ہے؟''

''زارون عبدالرحیم.....!''

''پھر بھی اس کے ساتھ رہ رہی ہو تم؟ سب سے پہلے تو تمہیں اس سے خلع لینی چاہیے۔''

''اس سے کیا ہوگا، وہ بھی رل جائے گا، اور میں بھی.....''

''اس کا مطلب ہے تم نے اسے معاف کر دیا؟''

''نہیں.....معاف نہیں کیا۔ بس قسمت کے ساتھ سمجھوتہ کیا ہے۔''

''ایسے تو بہت مشکل ہو جائے گی یار.....! زندگی ایسے بسر نہیں ہوتی۔''

''زندگی بسر کرنے کی خواہش اب رہی بھی نہیں۔'' پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پلکوں پر آئی نمی صاف کی۔ آئرہ چند لمحوں تک کچھ نہ بول سکی۔ تب ہی اس نے پوچھا۔

''تم اس روز کسی جاب کا ذکر کر رہی تھیں۔''

''میرے انکل کی فیملی ہے، بہت اچھے انسان ہیں۔ انکل ریٹائرڈ کرنل ہیں، ایک بیٹی تھی اس کی شادی ہوگئی۔ اس سے چھوٹا ایک بیٹا ہے، اس نے کسی عیسائی عورت سے جرمنی میں شادی کر لی۔ کچھ عرصہ یہ میاں بیوی کا رشتہ قائم رہا، پھر دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ اب وہ صاحب زادے پاکستان آ رہے ہیں تو انکل چاہتے ہیں کہ اس کے آنے سے پہلے انہیں کوئی اچھی کک مل جائے تاکہ گھر کا نظام چل سکے۔''

''ہوں.....تنخواہ کتنی ہوگی؟''

''یہ تو نہیں پتا.....لیکن پچیس تیس سے اوپر ہی ہوگی۔''

''بیٹا کیسا ہے ان کا؟''

''بہت کھڑوس ہے، حسین سے حسین لڑکی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔''

''تو پھر تم بات کرو ناں اپنے انکل سے، میرے لیے.....''

''کرلوں گی.....پہلے تم آنٹی سے بات کرلو، انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''نہیں وہ اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے..... میں کل ہی انکل سے مل کر ساری بات کرلوں گی۔''

''بہت شکریہ آئرہ..... تمہارے بہت احسانات ہیں مجھ پر۔''

''بس جانے دو..... اب چلتی ہوں میں..... ان شاءاللہ صبح بات ہوگی۔''

''ٹھیک ہے بہت شکریہ.....'' آئرہ اسی وقت چلی گئی۔

رات کے کھانے کے دوران محراب نے مریم بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

''امی ایک بات کرنی ہے آپ سے.....''

''ہوں.....'' کھانا کھاتے ہوئے ہاتھ روک کر انہوں نے محراب کی جانب دیکھا۔

''میں جاب کرنا چاہتی ہوں کسی کے گھر، بس چند گھنٹوں کے لیے کھانا پکانا ہے۔'' محراب نے امی کو جاب کے متعلق بتایا۔

''کیوں؟''

''ضرورت ہے امی..... زارون کے آپریشن پر بہت پیسے لگے ہیں، علاج بھی چل رہا ہے، اسے باہر بھی بھیجنا ہے۔ پھر آپ بھی بیمار رہتی ہیں، آپ کی بھی خوراک اور دوائیوں کے لیے پیسے چاہییں..... زارون کے اکاؤنٹ میں اب زیادہ پیسے نہیں ہیں۔ آج نہیں تو کل، مجھے یہ کرنا ہی ہے۔''

''ہمارے خاندان میں آج تک ایسا کسی نے نہیں کیا بیٹا..... اور پھر زارون کو پتا چل گیا تو ویسے بھی جان لے لے گا تمہاری۔''

''اب وہ جان لینے کی پوزیشن میں نہیں رہا امی..... ویسے بھی مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔''

''ایسا مت کہو، اب جیسا بھی ہے، تمہارا شوہر ہے وہ۔'' انہوں نے محراب کو سمجھانا چاہا۔

''وہ میری بہن کا قاتل ہے امی..... میں ساری عمر اس کا یہ گناہ معاف نہیں کرسکتی۔''

''میں جانتی ہوں مگر وہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے، جس نے دنیا میں جو بھی اچھا برا کیا، اس کا حساب اسے آخرت میں اللہ کو دینا ہے۔ تم اپنا اور اس کا رشتہ دیکھو..... تمہاری اس کی وجہ سے کوئی پکڑ نہ ہو میری بچی.....'' محراب کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ وہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

رات کو محراب کمرے میں آئی تو زارون جاگ رہا تھا۔ اس نے اس کے حصے کا کھانا اس کے قریب ہی رکھی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کھانا کھالو، دوا لینی ہے تمہیں۔''

''بھوک نہیں ہے مجھے۔'' بہت مدہم لہجے میں اس نے اسے جواب دیا۔

''بھوک نہیں بھی ہے تب بھی کھالو، دوا لینی ہے تمہیں، نہیں لوگے تو زخم کبھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔''

''کوئی پروا نہیں۔''

''ہاں، تمہیں کیوں پروا ہونے لگی۔ مزے سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز جو مل رہی ہے، جب تک چلتے پھرتے تھے ناک میں دم کیے رکھا، اب اپاہج ہو کر بیٹھ گئے ہو تو میری زندگی زیادہ مشکل کر دی ہے۔ آخر چاہتے کیا ہو تم؟'' محراب تلخ لہجے میں بولی۔ زارون کا چہرہ سرخ ہوا۔

''چپ ہو جاؤ، چلاتی ہوئی عورتیں پسند نہیں ہیں مجھے۔''

''تمہاری پسند مائی فٹ!'' اس کا لہجہ مزید سخت ہوا۔

زارون نے چپ سادھ لی۔

''تمہارے بینک اکاؤنٹ میں اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں ساری عمر بیٹھ کر تمہاری دیکھ بھال کرتی رہوں، پہلے دن سے اب تک جتنے بھی پیسے تمہارے علاج پر لگے ہیں، سب تمہارے اے ٹی ایم سے نکلے ہیں۔ ڈاکٹر فرحت نے تمہاری جو رپورٹس باہر بھجوائی تھیں، ان کا رزلٹ بھی مثبت آیا ہے۔ اگر تم علاج کے لیے باہر جاتے ہو تو بہت بڑی رقم کا تمہارے پاس محفوظ ہونا ضروری ہے۔ بتاؤ کیا کروں میں؟ کس سے جا کر بھیک مانگوں تمہارے لیے؟'' اس نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

زارون نے چند پل اسے خاصی توجہ سے دیکھا پھر پاس بلا لیا۔

''ادھر آؤ میرے پاس!''

اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ وہ شدید کشمکش کا شکار ہونے کے باوجود اٹھ کر پاس چلی آئی۔

زارون نے اس کے پاس چلے آنے پر ہاتھ بڑھا کر کسی قیمتی متاع کی طرح اسے اپنے اندر سمیٹ لیا۔

''زندہ ہوں ابھی..... مفلوج ہوا ہوں، مرا نہیں ہوں جو اتنی مایوس ہو گئی ہو تم زندگی سے۔'' وہ نرم لہجے میں بولا۔

محراب کا دل بے ساختہ پوری شدت سے دھڑک اٹھا۔

''تم کیا کر سکتے ہو اب؟''

''بہت کچھ کر سکتا ہوں اب بھی، بس تم میرا ساتھ نہیں چھوڑنا پلیز.....''

''مجھے تم سے نفرت ہے زارون۔''

''کوئی بات نہیں..... تمہاری اس نفرت کو محبت میں بدل دوں گا میں۔''

''مجھے تمہاری محبت کی ضرورت نہیں ہے۔'' بے زاری سے کہتے ہوئے وہ اس سے الگ ہوئی مگر زارون نے اس کا آنچل پکڑ لیا۔

''مجھے تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔'' اس کا لہجہ آنچ دیتا گمبھیر تھا۔

محراب لب بھینچ کر رہ گئی۔

''دیکھو باہر کتنی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ ابھی معذور نہ ہوتا تو تمہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا کر باہر لان میں لے جاتا۔ ہم دیر تک واک کرتے، مگر فی الحال یہ ممکن نہیں ہے تو ایسا کرو پلیز تم یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ..... تم دھیرے دھیرے میرے بالوں میں انگلیاں چلاؤ، مجھے نیند آ جائے گی محراب!'' لجاجت سے اس کے ہاتھ تھامتے وہ کتنی منت سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ پلیز!'' اس کا ہاتھ تنفر سے جھٹکتی وہ اس کے پاس سے اٹھ کر بیڈ کی دوسری جانب آ گئی۔

زارون اس کی اس درجہ بے اعتنائی پر محض بت بنا اسے دیکھتا رہ گیا۔

❁ ❁

ناول **وہ جو عشق تھا** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **5** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

http://kitaabghar.com